

پطرس کے خطوط

پطرس بخاری

ادبی دنیا، ارووبازار، وہلی
۱۱۰۰۰۶

میں کرتے شاعریں کتابیں اچھی
کہیں اور ہم اسے پتہ نہ چاہی

پطرس کے خطوط

پطرس بخاری

باراول ۶۱۹۷۸

تعداد پانچ سو

طباعت اعلیٰ پرنٹنگ پریس دہلی

قیمت سات روپے پچاس پیسے ^{۷/۵۰}

ناشر: ڈی. ونیا، اردو بازار، دہلی

«سول ایجنٹ»

اردو بک پریس - بمبئی

بنام عبدالمجید سالک

نیویارک

۱۳ اگست ۱۹۵۱ء

برادر محترم!

سلام مسنون! گرامی نامہ بلا۔ لاہور کا نقشہ واقعی بارل گیا ہو گا
 آنپس کی (کا) شہر آشوب پڑھ کر افسوس ہوا۔ آپ کو خط لکھنا
 مبارک نہ ہوا۔ کیونکہ اسی دوران میں ن۔ م۔ راشد کا خط بھی بلا۔ جس
 میں حفیظ (ہوشیار پوری) کی تازہ تاریخ گوئی کا لطیفہ شگفتگی کا باعث
 ہوا۔ نہ سنا ہوا ٹوٹنا دوں۔ راشد نے جاوید شعر اسرا ایک مضمون لکھا
 جس کے بعض فقرے حفیظ صاحب (جالندھری) کو گراں گزرے۔ انہوں
 نے تاؤ لکھا کہ راشد کو یہ شعر لکھ بھیجا۔

خبت دروں دکھا دیا ہر دہن غلیظ نے
 کچھ نہ کہا حفیظ نے ہنس دیا مسکرا دیا

اس پر حفیظ (ہوشیار پوری) نے اس واقعہ کی تاریخ لکھی۔ چہ خست دروں
 (مشکل) راشد نے چند اردو کی کتابیں بھی بھیج دیں۔ جن سے شب و روز
 میں کچھ رنگینی پیدا ہو گئی۔ آپ کو خط لکھنے سے طبیعت کا "تسخیر"
 ٹوٹا تو سلیمان صاحب کو بھی ایک خط لکھ دیا۔ اگر انہیں جواب
 کی توفیق ہوئی تو دل میں لہو کی ایک اور بوند نظر آنے لگے گی۔ بہر
 حال محض انہیں مخاطب کر کے بھی رُبع ملاقات کا مزہ تو آ ہی گیا۔
 اگلے دن ایک کتب فروش کے ہاں ملک راج آنند کی ایک تازہ
 تصنیف انڈین تھیٹر نظر آئی۔ کتاب مختصر ہے۔ وہیں کھڑے کھڑے
 پڑھ لی۔ بڑے طمطراق اور شان و شکوہ سے چھپی ہے۔ لیکن جہاں
 اور تعصب کا عجیب و غریب مرقع ہے۔ آندھرا تھیٹر اور بنگالی تھیٹر کو
 بہت سراہا ہے۔ لیکن ہندوستانی تھیٹر کے عنوان کے تحت اس
 بہت کچھ زہرا گلا ہے۔ خواجہ احمد عباس اور پرتھوی راج کپور کو تھیٹر کا
 امام قرار دیا ہے۔ آغا حشر کے متعلق کہا ہے کہ.....

"A HACK WRITER CALLED A GHAHASHR
 A THIRD RATE POETASTER."

اور اسی قسم کی اور خلافات تک کر آغا حشر کو تین چار سطروں میں مڑخا دیا ہے۔
 تن بدن میں آگ لگ گئی۔ ساہا سال سے امتیاز سے الٹجا کرتا
 چلا آیا ہوں۔ کہ آؤ ہم مل کر اردو تھیٹر پر ایک کتاب لکھیں۔ اردو
 میں بھی اور انگریزی میں بھی۔ ہمارے انتقال کے بعد کوئی یہ کام نہ کر پائے
 گا۔ جو مسالہ ہمارے پاس موجود ہے اور جتنی جوانی ہم نے تھیٹر پر
 پھڑکی ہے۔ کسی اور کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ لیکن انہوں نے توجہ

نہ کی۔ فلم سازی انہیں ایسی چھٹی ہے کہ ان کی علم دوستی خواب اور افسانہ بن کر رہ گئی ہے۔ ان کے بغیر یہ کام مجھ اکیلے کے بس میں نہیں۔ ذخیرہ سب ان کے پاس ہے اور وہ متحدہ کھیلوں سے واقف ہیں۔ جن کا مجھے صرف نام معلوم ہے۔ آپ کو یہ داستان درد اس لئے سنارہا ہوں۔ کہ اگر ان کی طبیعت میں اکتاہٹ پھر سے نہ پیدا ہو سکے۔ تو آپ اس کام کا بیڑا کیوں نہیں اٹھاتے۔ مانا کہ آپ کراچی میں ہیں اور میں نیویارک میں اور نہ معلوم یہ بعد کب تک رہے گا۔ تاہم یہ مشکل ایسی نہیں کہ اسے پھاند نہ سکیں۔ جب تک ہم لوگ زندہ ہیں۔ یہ امر محال نہیں۔ موت راستے میں حائل ہو گئی۔ تو کوئی اسے پھاند نہ سکے گا۔ لیکن "حالیا غفلت" تو "پھینک" سکتے ہیں۔

ہندوستان سے جو تناؤ ہے۔ اس کی خبر محض سرکاری ذرائع سے ہم تک پہنچتی ہے۔ تفصیلات سے تشنہ رہتے ہیں۔ اس لئے طبیعت متفکر رہتی ہے۔

خدا ہم لوگوں کا حامی و ناصر ہو۔ پاکستان کی ہمت اور پاکستان کے لیڈروں کی داتائی اور مددگری کے سب لوگ یہاں قائل ہیں اور بیش از بیش کالم نویس ان کے معترف بنتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن کوئی خدا کا بندہ ہندوستان کے کان نہیں مڑرتا۔ سب اپنا الوسیدہ کرتے ہیں۔

مجید لاہوری صاحب کا سلام پہنچا۔ خدا انہیں خوش رکھے۔ ان سے ملاقات افسوس کہ بہت مختصر ہوئی ہے۔ تاہم یا زندہ صحبت باقی۔ انہیں میرا سلام شوق بھی پہنچا دیکھئے۔

خاکسار

بخاری

۲

نیویارک

۱۶ ستمبر ۱۹۵۶ء

برادر محترم!

سلام مسنون! امید ہے آپ معوالخیر لاہور پہنچ گئے ہوں گے۔ انقلاب کے معطل ہو جانے کے بعد آپ اغلباً مسلم ٹاؤن ہی میں خانہ نشین ہوں گے۔ تاہم جب کبھی شہر جانا ہو اور دوستوں سے ملاقات ہو تو انہیں میرا سلام کہئے گا۔ چند دن ہوئے میں نے امتیاز کو خط لکھا تھا۔ جو اب سے حسب معمول محروم ہوں۔ اور شاید محروم رہوں۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم میری محرومی ہی کا احساس ان تک پہنچا دیکھئے کہ عشق کے کاروبار میں اس سے بھی بسا اوقات فائدہ پہنچتا ہے۔ کیا صوفی صاحب بدستور نیویارک ہاسٹل میں حکمراں ہیں۔ یا کچھری روڈ کی سرکاری کوٹھیوں میں سے کسی کوٹھی میں پہنچ گئے ہیں۔ نہ معلوم پرنسپل کون ہیں۔ آخری اطلاع ڈاکٹر صادق کے متعلق تھی۔ اور کیا شریف صاحب کراچی میں ہیں یا لاہور واپس آگئے؟ ان سوالات سے محکمانہ معاملات کے کریدنا مطلوب نہیں، محض

اجاب کے مستقر و ماحول کا نقشہ ذہن میں بنانا چاہتا ہوں۔ اسی طرح کے سوالات ہاشمی صاحب اور عابد علی صاحب کے متعلق بھی پوچھنا چاہتا ہوں۔ آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ عابد صاحب نے زندگی میں چند در چند ڈرامے پیدا کر لئے ہیں۔ میں ابتدائی مناظر سے بھی بے خبر ہوں۔ اس لئے کھیل کا خاکہ تک سمجھ میں نہ آیا۔ خلیفہ حکیم کے متعلق آخری اطلاع تھی۔ کہ وہ اقبال اکیڈمی کے ڈائریکٹر ہیں۔ کیا یہ اکیڈمی نپال ہی ہے اور لاہور میں ہے؟ میں نے خلیفہ صاحب سے اسلامی کلچر پر یہاں کے مقتدر مولف کے لئے ایک مضمون لکھوایا تھا۔ وہ عنقریب اور فلسفیان عالم کے رشتہاتِ قلم کی معیت میں کتابی شکل میں شائع ہو گا۔ اور یہ پہلا موقع ہو گا کہ اسلام پر کسی پاکستانی کا مدلل مضمون اس ملک میں عزت و آبرو کے ساتھ چھپے۔ یہاں کی ایک یونیورسٹی میں مذاہبِ قدیم اور حقوقِ انسانی کے مضمون پر دستمبر میں ایک مناظرہ ہو گا۔ اس سلسلہ میں بھی میں نے خلیفہ حکیم صاحب کے لئے بے حد سعی کی کہ اسلام کی نمائندگی وہ کریں۔ آخر اس میں کامیاب ہوا۔ خلیفہ صاحب کا گراہم وغیرہ یونیورسٹی دے گی۔ کینیڈا کی (MCCL) یونیورسٹی و نطفے دے کر اسلامیات کے طلباء اور فارغ التحصیل بزرگوں کو سال دو سال کے لئے یہاں بلانا چاہتی ہے۔ عنقریب وہاں کے پروفیسر سمیتہ انتخاب اشخاص کے لئے پاکستان کا دورہ کریں گے۔ میں نے ان سے کہا ہے کہ وہ آپ سے بھی ضرور ملیں۔ سمیتہ پہلے بھی ہمارے ملک کی سیاحت کر چکے ہیں: MODERN ISLAM AND INDIA کے مصنف ہیں۔ آغا جمیل وغیرہ انہیں اچھی طرح جانتے ہیں۔ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب آج کل یہاں ہیں۔ مباحثہ

کشمیر کے آنے والے سین کے لئے سٹیج تیار کر رہے ہیں اور بے اتہا تاک و
 دو میں مہر و مندی میں۔ خرا کرے ہم اس قہنیے سے عزت کے ساتھ اور بوجہ احسن
 عہدہ برآ ہوں۔ ایک اور یونیورسٹی خشک علاقوں میں آب پاشی پر ریسرچ کرنا
 چاہتی ہے۔ لیکن ایشیائی یونیورسٹی کے ساتھ مل کر بیروت اور پنجاب دونوں
 زیر غور ہیں۔ میں پنجاب کے لئے گوشہ کر رہا ہوں۔ اغلباً کام بن جائے گا۔
 بس اپنی حکومت اور پنجاب یونیورسٹی کے اشارے کا منتظر ہوں کہ وہ یہ
 بوجھاٹھا سکتے ہیں یا نہیں۔ ڈاکٹر رائیس (سابق پرنسپل فارمن کالج) میرے
 نمبر میں اور خوب زور لگا رہے ہیں۔

آپ کے لاہور میں پھر براجمان ہونے کا خیال آتا ہے۔ تو کئی یادیں
 تازہ ہو جاتی ہیں۔ تاہم جب تک آپ کراچی میں تھے۔ آپ کی موجودگی
 سے زبیدہ اور ان کے تعلق سے مجھے ایک الہمیان تھا۔ سب لوگ کراچی
 کی سمت ہجرت کر رہے ہیں۔ لاہور کا (بقول بلاپ پرتاب)
 اب کیا بنے گا؟

مہر صاحب کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ اغلباً اب بھی اپنی
 چھتری ہاتھ میں لے کر علی الصباح سانپ مارنے کے لئے جنگل میں گشت
 لگاتے ہوں گے۔ انہیں بھی میرا سلام کہئے گا۔

آج اتوار کا دن ہے۔ رڈی چھانٹ مار رہا ہوں۔ یہ مشغلہ ہر ملک اور
 ہر زمانے میں سوہانِ رُوح ہوتا چلا آیا ہے۔ اگلے ہفتے سے پیرس
 کے سفر کے لئے ٹیکے لگوانا شروع کر دوں گا۔ پہلے ٹیکے سب کے سب
 زائد المیواد ہو چکے ہیں۔ کل شام نیلی وٹرن پر میری انٹرویو نشر ہو گی۔
 کچھ کشمیر کچھ جاپانی عہد نامہ کچھ کوریا۔ وقس علی ہذا۔ غرضیکہ صبح ہوتی ہے

شام ہوتی ہے۔

خاکسار
بخاری

۳

نیویارک

۲۲ مارچ ۱۹۵۲ء

برادر محترم!

سلام مسنون! نہ معلوم آپ کا کیا حال ہے۔ عرصے سے آپ کا خط نہیں آیا۔ یہ آپ کا شیوہ نہیں۔ اس لئے آپ کے متعلق تشویش ہے۔ خدا آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ چند دن بیماری ہی بیماری سُننے میں آتی ہے۔ سلمان بے چارے کو نمونیا ہو گیا۔ انور کا خط آیا تھا کہ آپ بہتر ہیں۔ اسے بھی ایک دو ہفتے گزر گئے۔ نہ معلوم اب ان کا کیا حال ہے۔ میں پیرس سے یہاں ۸ فروری کو پہنچا۔ بالکل چور۔ پہلے انفلوئنزا ہو گیا۔ اس سے صحت پائی تو خون کا دباؤ یک نخت گر گیا۔ سر میں چکر آنے لگے اور صاحبِ فریاد ہونا پڑا۔ اب بالکل تندرست ہوں۔ زبیدہ کو عرصہ سے ادنیٰ کیریبا کی شکایت ہے۔ وہ آج کل پنجاب میں ہیں۔ اُمید ہے آپ سے ملاقات ہوئی ہوگی۔ (بشرطیکہ کراچی نہ اٹھائے گئے ہوں) آج کل کام میں گھرا ہوا ہوں۔ سیکورٹی کونسل آڈر ڈس آر نیمنڈ کیشن میں ہونے کی وجہ سے مصروفیت بہت بڑھ گئی ہے۔

اسد صاحب بحیثیت وزیر کے میرے سوا دن

مقرر ہوئے ہیں۔ جنوری کی بجائے مارچ میں یہاں پہنچے۔ وزیر خارجہ انہیں اپنے ساتھ بلادِ اسلامیہ کے دورے پر لے گئے تھے۔ جب کراچی واپس پہنچے تو کہیں سڑکیوں پر سے ریٹے۔ دوپلیاں ٹوٹ گئیں اور ان کے آنے میں اور تاخیر ہوئی۔ غرضیکہ بوجہ پریشان رہا۔ اب زندگی کا نقشہ پھر کچھ بننے لگا ہے۔

لاہور کی خبر صرف اتنی ملی کہ ہاشمی صاحب امریکہ آئیں گے۔ یہ شردہ سلمان نے سنایا۔ اسے بھی کئی ہفتے ہونے میں آئے۔ مزید کوئی اطلاع نہ آئی۔ صوفی صاحب کا ایک نادر سلام حمید الدین (ابن مولوی صدر الدین مرحوم کی وساطت سے پہنچا۔ حمید یہاں کولمبیا یونیورسٹی میں نفسیات پڑھ رہے ہیں۔ مختصر یہ واپس جائیں گے۔ عباس کو بی۔ بی۔ سی سے یو این او بلائے کی کوشش کر رہا ہوں۔ وہ آجائیں تو بہت ہی خوب ہو۔ خلیفہ عبدالحکیم یہاں اپنی لیکچر بازی ختم کر چکے ہیں۔ اب واشنگٹن میں سستار رہے ہیں۔ اگلے ہفتے نیویارک آئیں گے۔ اور دو چار دن بعد کراچی کا عزم کریں گے۔

اجبار و اطلاعات تو ختم ہو لیں۔ اب حسرتوں کا ذکر باقی ہے۔ پرسوں یہاں برف پڑ رہی تھی۔ یہ مارچ کا آخری سنبھالا تھا۔ یوں جنتری کے حساب سے بہار کا موسم شروع ہو چکا ہے۔ مختصر یہ مکان کی دیوار پر جو بیلیں سرمایہ میں مضحل اور بے رونق تھیں۔ وہ ہری بھری ہوں گی۔ وطن یاد آتا ہے۔ طالب علم تھے۔ تو مارچ کے مہینے میں امتحان کے خیال سے رخصتہ طاری تھا۔ معلم ہوئے تو مارچ میں تعطیلات کا انتظار رہتا تھا۔ بہار کی

ہوائیں یوں بھی چلتی تھیں، دلیوں بھی۔ اور کاروباری عشق پہ شروع جاری رہتا تھا۔
 کیا اب بھی راوی نے اُس پار مقبرہ جہانگیر کے باغ میں کونل کی صدا سنائی
 دیتی ہے؟ کیا اب بھی فالوڈے کا موسم قریب آ رہا ہے؟ جب بیماری
 کے عالم میں بالکل خالی الذہن تھا۔ تو شباب لاہور اور لاہور شباب
 کے موقع تھوڑی تھوڑی دیر کو دماغ میں جاگ اٹھتے تھے۔ دارالاشاعت
 کی یم عشاق، دہلی مسلم ہوٹل میں دارفتگان کا ہجوم۔ بے دل مرحوم۔
 فرزند علی (جو ہر وقت بیان کی وجہ سے طب اللسان رہتے تھے۔)
 منشی نعمت علی کی "بیتے یو" پیرانی اتار کئی میں حکیم احمد شجاع کا مکان
 اور باپ کا گناہ۔ تاثیر کی فیمل پائی اور تہمتی چراغ حسن حسرت (خدا کی
 قسم وہ نہیں ہیں) ڈیگ پر مچلی کا شکار۔ جھگل کی پراصرار معصیتیں۔ پھر
 گورنمنٹ کالج لاج کا دور۔ صوفی کی پنجابی غزلیں۔ شب ڈیگ کی تقریبیں۔
 اے کاش کوئی از سر نو ان اوراق پر لیشاں کا شیرازہ باندھ دے۔

دش بریاد حریفان بخرا بات شدم
 خم سے دیدم دخول در دل و پاد رگل بود
 بس بگشتم کہ پرسم سبب درد فراق
 مفتی عقل در این مسئلہ لایعقل بود

آپ کی خیریت کا طالب ہوں اور آپ کے خط کا منتظر۔

ہر آنکہ جانب اہل و فامگہ دارد
 خدائش در بہہ حال از بلا نگہ دارد
 خاکسار

بخاری

نیویارک

۲۸ اپریل ۱۹۵۲ء

برادر محترم!

سلام مسنون! گرامی نامہ بے تاریخ لیکن نئیچہ ادائل اپریل شرف صدور لایا۔ آپ خط نویس نہیں پرچہ نویس ہیں۔ ایک ہی مکتوب سے آپ خبروں کا ایسا چھڑکاؤ کر دیتے ہیں کہ مہینوں کی تشنگی مٹا جاتی ہے۔ جب پیرس سے آیا۔ مسئلہ تیونس میں مستغرق رہا۔ خدانے اس بارے میں مجھے ایسا سُرخ رو کیا کہ ناشکری کا کوئی بھی جیلہ تو باقی نہ رہا۔ امریکہ کے اخباروں نے وہ مجھے سرسراٹھایا کہ شاید ہی یو این او میں کسی کو نصیب ہوا ہو۔ ابھی تک تعریفی خطوط کا تانتا لگا ہوا ہے۔ اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن والے ہر وقت تعاقب میں رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ بہت نامی اخبار نے (نام ابھی نہ لوں گا) خاص سچہ پرائیک آرٹیکل لکھنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنے طریق کار کے مطابق ایک نامہ نگار میرے ساتھ منتھی کر دیا ہے۔ جو رات دن میرے ساتھ پھرتا ہے۔ اور بے شمار سوالات پوچھ پوچھ کر نوٹ کر تا جاتا ہے۔ پندرہ دن ہی شغل رہے گا۔ اس کے بعد وہ دو صفحے کا آرٹیکل لکھے گا۔ یہاں کے صحافت باز لوگ بھی عجیب و اہبانہ طبیعت رکھتے ہیں۔ بعض لوگوں پر ایک آرٹیکل لکھنے کی خاطر چھ مہینے ان کے ساتھ ایک انٹارپرائز کو منتھی کر دیتے ہیں۔ سنا ہے میرے والے آرٹیکل پر ان کا دس ہزار

ڈالر خرچ آئے گا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے پاکستان کی اس خدمت کے لئے مجھے منتخب کیا اور پاکستان کے طفیل مجھ پر بھی اپنی رحمت فرمائی۔ قضیہ تینولس کیونکر یو این میں لایا گیا۔ اور معاملے نے کیا پلٹے کھائے اور دنگل میں کیا کیا تماشے ہوئے۔ یہ داستان ایک ڈرامہ سے کم نہیں۔ عند الملاقات انشوار اللہ کبھی عرض کروں گا۔ آپ جانتے ہیں کہ میں تقریر بغیر نوٹس کے کرتا ہوں۔ ہر مرتبہ تقریر کے ابتدائی فقروں کے دوران میں ایک عجیب کیفیت مجھ پر طاری ہوتی ہے۔ مجلس امن کے سامعین (ریڈیو وغیرہ ملاکر) کروڑ دو کروڑ سے کم نہیں ہوتے۔ اور پھر دائیں بائیں بھی گرگے اور جغادری قسم کے لوگ۔ لیکن وہ لطف رہا کہ کیا عرض کروں۔

پاکستان آنے کے لئے فرار ہوں ستمبر اکتوبر سے لے کر جنوری تک جنرل اسمبلی کی وجہ سے میرا نیویارک میں رہنا ضروری ہے۔ آیا تو ستمبر یا اکتوبر سے پہلے یا جنوری فروری میں۔ تاریخ کے تعین میں توقف یوں ہے کہ ہارون میاں چاہتے ہیں میں ان کی شادی کے موقع پر کراچی میں ضرور موجود ہوں۔ شادی کی تاریخ بھی انہوں نے مقرر نہیں کی۔ خان بہادر میاں عبدالعزیز مرحوم کی صاحبزادی کے لئے پیغام بھیجا ہے۔ خاتون کا نام روشن ہے اور ہر شخص سے اس بچی کی تعریف سنی ہے۔ زبیرہ یقیناً آپ سے بات کریں گی۔ امید ہے کہ آپ اپنے برادرانہ مشورے سے اُسے اور مجھے اور ہارون کو محروم نہ رکھیں گے۔ کبھی فرصت ملے تو

ذوالفقار سے عام معاملات پر کبھی تبادلہ خیالات کیجئے۔ اس کا اکثر باتوں میں رد یہ کچھ غیروں کا سا ہے۔ میں تو متوکل انسان ہوں۔ البتہ زبیدہ کو جو خاندانی یک جہتی کی عادی ہے۔ دکھ ہوتا ہے۔ نہ زبیدہ ہی صبر و شکر سے کام لیتی ہے۔ نہ ذوالفقار ہی کا دل سپیچتا ہے۔ اس بد مزگی سے میں اکثر پریشان رہتا ہوں۔ کسی کے بس کی بات نہیں۔ تاہم عجب نہیں کہ کسی لمحے آپ کا کلام ذوالفقار کے دل میں جاگزیں ہو جائے۔ اور اس کی کردار تیں (واللہ اعلم کیا کردار تیں ہیں) دور ہو جائیں۔

آپ بھی اب کراچی چوی ہو گئے۔ خدا کرے آپ کو مکان خاطر خواہ مل جائے۔ مسلم ٹاؤن کی کوٹھی کے بعد بھابی بے چاری کو ہوٹل میں زندگی کا کیا لطف آئے گا۔ آپ کے کراچی آنے میں خوش ہوں۔ کراچی میں لاہور کا رس نہیں۔ لیکن جب حلقہ اجباب کے باقیات الصالحات سب کراچی میں ہیں۔ تو لاہور سے بہتر ہے۔ کم از کم آشنا صورتیں تو نظر آئیں گی۔ شریف (محکمہ تعلیم) آج کل امریکہ میں ہے۔ ڈاکٹر وحید بھی (حقوق انسانی کے کمیشن کے سلسلہ میں) یہاں ہیں۔ خلیفہ عبدالحکیم اس وقت بلاد اسلامیہ میں مزار مولانا روم پرفاتحہ پڑھ رہے ہوں گے۔ یا غضنفر کے ہاں پلاؤ کھا رہے ہوں گے۔ غنقریب کراچی نہیں گئے۔ مجید ملک اور آمنہ کی کبھی کوئی خبر نہیں آئی۔ فلمنگ روڈ کے ایام کے دوران سے محلی یا طبع ہونے کے موقع کم ملے ہیں۔ (بجز دوران جنگ اور دہلی میں) سلیمان یقیناً صحت مند ہوں گے۔ کیونکہ عرصہ سے ان کا

خط نہیں آیا۔ سنا ہے امتیاز کراچی آئے تھے۔ چند محفلیں برداشن کر کے پھر لاہور
چلے گئے۔ ان کی جانب سے تو کبھی خط آتا ہی نہیں۔ ہمارے دوست اشار اللہ
اہل القلم سے بڑھ کر اہل اللفظ ہیں۔

خط لکھتے رہا کیجئے اور چوہا جیب نشینی دو۔ الخ

خاکسار

بخاری

۵

نیویارک

۳۱ اگست ۱۹۵۲ء

برادر محترم!

سلام مسنون! یہ بھی میری ترو لیدہ ایام زندگی کی ایک مثال ہے
کہ جب آپ کا خط ملا۔ میں ایک کاغذ لکھ کر لے گیا تھا۔ کھول کر صرف آنکھیں
سیراب کیں۔ اور پھر جیب میں رکھ لیا کہ فرصت میں پڑھوں گا۔ نہ معلوم
وہ کون سی جیب کس کوٹ کی تھی۔ تین دن سے تلاش کر رہا ہوں۔
آخر ارادہ کیا کہ ”منہ زبانی“ ہی جو اب لکھ دوں۔ اتنا ضرور دیکھ لیا تھا کہ
آپ میری خاموشی کے شاکی ہیں اور خط کا خاتمہ اس پر معنی فقرے یا جملے پر
ہوا تھا کہ آپ ”مفتاب ریڈیو سٹیٹین“ رہتے ہیں۔ عقبہ پیمائی نہ چھوٹی!۔
جولائی اگست کے مہینے یہاں مشکل سے کٹتے ہیں۔ گرمی اور رطوبت
یعنی بالکل کلکتہ اور گاہے گاہے مدراس۔ اس دوران میں کام برابر
جاری رہا۔ کشمیر کے مسئلے کو یہاں سے جنیوار دانہ کیا۔ تو ڈس آرمنٹ

کمیشن اور سکورٹی کونسل کے اجلاس دھڑا دھڑا ہوتے لگے یہ اگست
کو جنرل اسمبلی ہے۔ اس کی تیاریاں ابھی سے شروع ہوئی ہیں۔ معاہدہ میں سے
جو توقع تھی کہ رستم کی گورنر پلاٹ مارا جائے گا۔ وہ توقع محروم ہوئی۔ ہم سمجھے
تھے کہ

”مبارک بادا سد غم خوار جان درد مند آ یا“

لیکن انہیں فرصت کشاکش غم نہیں ہی سے نہ ملی۔ کئی مرتبہ تھکان
کے مارے بڑا حال ہو گیا اور ہفتہ بھر صرف بستر میں لیٹ کر ناول پڑھنے
کا ارادہ کر لیا۔ پر کیا کریں کہ دل ہی عدد ہے فراغ کا۔ بہر حال اب دسمبر
تک تو یونہی بار برداری کرنی پڑے گی۔ اس کے بعد چھٹی لے کر وطن واپس
آنے کا ارادہ ہے۔ چھٹی ”ایک سے دو مہینے“ تک کی بے گھر رہنے
کو بھی دل چاہتا ہے۔ لیکن قواعد کی رو سے جتنا عرصہ پاکستان رہوں۔
اتنا عرصہ فارن الاؤنس چھین جاتا ہے۔ خیر یہ بعد کی باتیں ہیں۔ فی الحال
تو کراچی پہنچنے کے نقشے دماغ میں ڈھل رہے ہیں۔

اس دوران میں غصنقرہ بیاں آئے۔ کسی تیل کے بادشاہ کے مہمان
تھے چنانچہ اس ٹھاٹھ سے رہے کہ ہماری میزبانی کے متوقع بھی رہے اور اس
سے بے نیاز بھی۔ حسب دستور کچھ ہم سے خوش کچھ شاکی گئے۔ غلام محمد
چند دن سے یہاں ہیں۔ ایک دو مرتبہ ماحقر تنادلی فرمایا اور وطن کے حالات
سنائے۔ امجد بھی موجود تھے۔ وطن کے حالات سے میں بیشتر بے خبر
رہتا ہوں۔ بس اتنا ہی علم میں آتا ہے۔ جو سرکاری اطلاعات کے ذریعے پہنچتا
ہے۔ ڈان پڑھنے کی کبھی فرصت ملتی ہے، کبھی نہیں ملتی۔ جو سیاح یہاں آتا ہے۔
وہ کسی نہ کسی افسر کی بیماری کا شکار ہوتا ہے۔ غلام محمد بیمار تھے۔

پھر محمد علی بیمار ہوئے۔ اب سنا ہے عبدالقادر صاحب فرانس میں۔ کراچی کی آب و ہوا ایکسیر بدل ڈالنے کا تہیہ کر لینا چاہیے۔ سلمان ملے تو ان سے کہئے کہ ان کی جانب سے ایک مسودہ مرصہ ہوا موصول ہوا ہے۔ جس میں نیازی صاحب اور کسی اور تان سین کی آپس میں ٹوٹو میں میں کا مفصل حال درج تھا۔ پھر ایک اور مسودہ شرف الصدور لایا۔ جو خود ان کی ایک ریڈیو ٹاکس کا مسودہ تھا۔ حاشیے پر چند کیرے مکرڑے "بقلم خود" منقوش تھے۔ اسی کو ان کا گرامی نامہ سمجھ کر خوش ہو لیا۔ لیکن اس سے اتنی اکتاہٹ پیدا نہ ہوئی۔ کہ "لائو تو قلمدان" کہہ اٹھتا۔ بہر حال انہیں عنقریب نئے ساز و سامان کے ساتھ خط لکھوں گا۔

ہارون کی شادی دسمبر کے آخر میں ہوگی۔ میں وسط دسمبر سے کسی صورت پہلے نہ پہنچ سکوں گا۔ نہ معلوم ایسی تقریباتوں پر کیا کیا انتظامات پیش از وقت کرنے پڑتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ زبیدہ کی اپنے مشورے سے وقتاً فوقتاً رہنمائی کرتے رہیں گے۔ آپ اور دیگر اجاب اگر اس کام میں بقدر فرست حصہ لیں۔ تو بقاضائے نیاز متدی بے حد ممنون ہوں گا۔ ہارون منصور ماشار اللہ جوان ہیں لیکن نا تجربہ کار ہیں۔ آپ کی ہدایت کی انہیں بے حد ضرورت ہوگی۔ سلمان کی خدمت میں بھی میری طرف سے یہ درخواست پہنچا دیجئے۔ ذوالفقار کو بھی خط لکھوں گا۔ لیکن نہ معلوم وہ کس حد تک توجہ کریں۔ آپ اور سلمان پر بھروسہ ہے اور خدا آپ کو خوش رکھے۔

امریکہ سے کچھ منگواتا ہو تو ابھی سے لکھ بھیجئے۔ یہاں کاشاپنگ از حد صبر آزما ہوتا ہے۔

خاکسار
بخاری

۶

نیویارک

۹ فروری ۱۹۵۳ء

برادر محترم!

سلام مسنون۔ جب نیویارک پہنچا تو جہاز سے بیمار اترا۔
 (بے آرامی میں ایک قیمتی ادور کوٹ بھی جہاز ہی میں رہ گیا اور اب اس کے
 ملنے کی کوئی امید نہیں)۔ سخت نزلہ اور بخار سیدھا ہسپتال لے گیا۔
 اب افاقہ ہے۔ لندن میں جو بیس گھنٹے ٹھہرنا پڑا۔ جہاز والوں نے
 ایک ایسے ہوٹل میں ٹھہرایا۔ جو مصافحت میں واقع تھا۔ بڑی کسی
 عمارت جیسے کسی انگریز رئیس کا محل ہو۔ ارد گرد وسیع باغ، دن
 بھر ہوٹل ہی کے آفتاب خانے میں بیٹھا رہا۔ کسی دوست آشنا سے
 جو لندن میں رہتے ہیں۔ ملاقات یا ٹیلی فون کی کوشش نہ کی۔ موسم
 صاف تھا۔ خیال تھا کہ نزلے میں کچھ تحقیق ہو جائے گی۔ لیکن نہ
 ہوئی۔ قاہرہ کسی کو گذرنے کی اطلاع نہ دی تھی۔ البتہ روم کے
 ایئرپورٹ پر اسلم ملک اور ان کی بیوی ملنے آئے۔ گھنٹہ بھر کا وقفہ ان
 کی معیت میں گذرا۔ کراچی سے میر سے ہی جہاز میں طیب حسین قاہرہ جا
 رہے تھے۔ قاہرہ ایئرپورٹ پر ان کی بیگم صاحبہ (مرزا محمد سعید کی
 صاحبزادی) انہیں لینے آئی ہوئی تھیں۔ ان سے کچھ گپ لہی۔

نیویارک ابھی خالی خالی ہے۔ ابھی تک کسی دوست سے تجدید مراسم کی مہلت نہیں ملی۔ چوہدری ظفر اللہ خاں یہاں سے جنیوا جا چکے ہیں۔ آج پہلی مرتبہ دفتر گیا۔ جاتے ہی کام میں مصروف ہو گیا۔ کچھ مجبوراً کچھ دل بہلانے کے لئے۔ مصروفیت دافع تفکر است ہوتی ہے۔ آج ہارون کا خط آیا ہے کہ میں شادی مارچ کے آخر میں کرنا چاہتا ہوں۔ اسے میں نے لکھا ہے کہ زبیرہ اور منصور کے ساتھ مشورہ کر کے خرچ کا تخمینہ لکھ بھیجئے۔ منصور کی شادی کے اخراجات کا نقشہ اسے میں نے یہاں سے بھیج دیا ہے۔ اس سے مدد ملے گی۔ وہ سمجھتا ہے کہ شادی بجائے اپریل کے مارچ ہی گئے مہینے میں مناسب ہوگی۔ خدا کرے اس وقت تک میں کچھ پونجی جمع کر سکوں۔ فی الحال تو تجوری بھائیں بھائیں کر رہی ہے۔ اندازہ ہے کہ گھر کے لوگ اس وقت منتشر ہوں گے۔ اور زبیرہ اکیلی ہوگی۔ خیریت دریافت کرتے رہیے گا۔ جب میں کراچی سے روانہ ہوا تھا۔ تو اسے بھی زکام اور بخار تھا۔ شادی کی بھاگ دوڑ نے کافی تھکا دیا۔ منصور اور زبیرہ اغلباً تعطیل منامے دہلی چلے گئے ہوں گے۔ ہارون لاہور میں ہے۔ بلکہ آج کل دورے پر ہے۔ وہ ۲۳ فروری تک دورے پر رہے گا۔ ذوالفقار کے اوقات جیسے مصروف ہیں۔ وہ آپ جانتے ہیں۔

کراچی آنے کا وہ لطف نہ آیا۔ جس کی امید تھی۔ لوگ پڑمردہ اور ان کی گفتگو اکثر متفکر تھی۔ علاوہ بریں شادی کے تفکرات۔ بیشتر دماغ پر حاوی رہے۔ دو مرتبہ لاہور تو گیا۔ لیکن لاہور سے محلیٰ بالطبع ہونے کی فراغت نصیب نہ ہوئی۔ تاہم غنیمت ہے کہ سب اجباب سے (بجز ایک

عابد علی کے جو برات میں بھی شامل نہ ہوئے، ملاقات تو ہو گئی۔
 اب دیکھئے اگلے دو ایک سال میں زمانہ ہر ایک سے کیا سلوک کرتا
 ہے۔ آپ کی صحبت بدستور فیض کا سرچشمہ تھی۔ جو فقہے نصیب ہوئے
 وہ آپ ہی کی بدولت نصیب ہوئے۔ اور شادی کے انصاف میں آپ ہی
 کی ذات سے بہت کچھ ڈھارس بندھی رہی۔ ورنہ میں بالکل ہی پچک
 گیا ہوتا۔ خدا آپ کو سلامت و شاداں رکھے۔ مجید لاہوری کی صحبت
 بھی حاصل وطن تھی۔ ان سے میری جانب سے معذرت کر دینا۔ کہ وہ
 خدا حاقظ کہنے آئے۔ تو میں گھر پر موجود نہ تھا۔ ان کی طباعتی اور بدلم سنی
 اور سب سے بڑھ کر ان کے اخلاق اور ان کی الفت کی یاد سے طبیعت
 تا ابر سیرا رہے گی۔ خدا ان کے دماغ کو اور جلادے۔ ان پر سلام
 ہو۔ نیز ندوی صاحب پر بھی جن کی کتاب پڑھی (جو آپ کو انہوں نے
 تحفہ دی تھی) اور وہ میرے گھر پر ہے۔ آپ وہاں سے ضرور وصول
 کر لیجئے گا۔

شاہد سہروردی نیویارک میں آکر مقیم ہو گئے ہیں۔ کولمبیا یونیورسٹی
 میں ان کا منصب آرٹ لیکنچر رکھتے ہیں۔ ابھی ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔
 پرسوں یہاں کے سب سے بڑے عجائب خانے میں تصویروں کی
 ایک نمائش کا افتتاح ہے۔ ڈائریکٹر اور اس کی بیوی نے مجھے نمائش
 سے پہلے کھانے پر بلایا ہے۔ ارادہ ہے کہ شاہد کو بھی ساتھ لے
 جاؤں۔ انہیں وہاں سے بہت سے ہم سخن اور ہم زبان ملیں گے۔ سنا
 ہے کہ ان پر انحطاط آ گیا ہے۔ اور ان کا دل پرمردہ ہے۔ آخری عمر میں
 تنہائی کا عالم اور تلاش معاش میں وطن سے اس قدر دور ان پر ترس

آتا ہے۔ طبیعت بھی ان کی حساس ہے۔ خلیفہ عبدالحمیم کی سی خوش دلی ان میں نہیں۔ (ہائے وہ مر سنگھ داس گارڈن کی زریں سر پہر!) یہ محض نیویارک پہنچنے کا خط ہے۔ اس لئے اختصار مد نظر ہے۔ باقی آئندہ! ترجمے کے لئے اُردو کے مختصر فسانوں کا انتخاب۔ عباس کو یاد دہانی کراتے رہیے گا۔ حسرت کو سلام پڑھا، انہوں نے کہ ایران میں بھی محتسب بیدار رہ رہا ہے۔

خاکسار
بخاری

۷

نیویارک

۱۹ فروری ۱۹۵۳ء

برادرِ محترم!

سلام مسنون۔ آپ نے جیسے چاہا تھا۔ اسی کے مطابق آپ کا ۱۵ فروری کا لکھا ہوا گرامی نامہ آج ۱۹ فروری کو نہیں بلکہ ۱۸ فروری کو یہاں پہنچ گیا۔ میرا یہ خط آپ کے خط کا جواب نہیں۔ بلکہ "خود بخود" خط ہے۔ اور ایک ضرورت سے آپ کو لکھ رہا ہوں: بھنگیوں کی توپ کے مکمل حالات مطلوب ہیں۔ کس نے بنائی؟ کہاں بنائی؟ کیا توپ ساز کا نام اور کوالف معلوم ہیں؟ توپ کا اصل مالک کون تھا؟ توپ کی عمر کتنی ہے؟ ہوتے ہوتے لاہور کے عجائب خانے کے سامنے کیسے پہنچ گئی؟۔

اس ریسرچ کا محتاج ہوں ہوا کہ ایک جرنیل کی استمالت کرنی ہے۔ ان حضرات کی کیفیت یہ ہے کہ انہیں پاکستان کی کسی چیز کا مطلقاً کوئی علم نہیں۔ بجز بھنگیوں کی توپ کے۔ اور اس توپ کے بارے میں ایسا شغف ہے کہ عشق و جنون کی حد تک۔ کپلنگ کی کتاب "کم" KIM میں اس کا حال انہوں نے پڑھ رکھا ہے۔ (اسے کہتے بھی "کم کی توپ" ہیں)۔ اس کے مفصل حالات ان تک پہنچا سکا۔ تو وہ پھولے نہ سمائیں گے۔ بلکہ شاید انہیں مطالعہ و محلا کا غڈ پر لکھو اگر اپنی لائبریری میں محفوظ رکھو اور اس۔ پہلے خیال آیا کہ لاہور کے عجائب خانے کے مہتمم صاحب کون ہیں اور جواب جلد دینا۔ انہیں گوارا ہوگا۔ یا میرا خط محکماتی مسلوں میں ہی کہیں چکر لگاتا رہے گا۔

اول تو مفصل حالات آپ کو خود ہی معلوم ہوں گے (آپ کا حافظہ اور دماغ عمر عیار کی زنبیل سے کم نہیں) اور نہ معلوم ہوئے تو آپ کراچی میں کسی ماہر سے حاصل کر لیں گے۔ جواب ذرا جلد بھیج دیجئے۔ غالب کا ہندی ترجمہ خوب رہا۔

”لوبھ کا کاج کام کیا کیا ہے“

یعنی ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا۔ کاج کام کی داد دیجئے۔ نشاط کا ہندی ترجمہ "کام" اور (اردو کے) کام کا ہندی ترجمہ "کاج" لہذا "نشاط کار" "کاج کام" ہوا۔ یہ ترجمہ ہندی روزمرہ میں بھی مفید ہو سکتا ہے۔ مثلاً کہا جائے کہ "آج کل کام کاج میں کاج کام نہیں ملتا" مگر یہ تو فرمایے "نندرا کیوں راتری بھر نہیں آتی" میں بھر

(یا سڈر کہوں؟) کون سی استعمال ہوئی ہے۔ "مارچ میں شادی" پر
 ہارون نے مجھے خط لکھا ہے۔ تجویز دراصل کسی کی ہو۔ وہ اس
 سے بہر نوع ^{مشفق} بلکہ مصر معلوم ہوتا ہے۔ میں نے اسے جواب
 بھیجا ہے کہ مجھے اعتراض نہیں۔ البتہ زبیدہ سے مشورہ کر کے
 اس کی رضامندی حاصل کر لے۔ روپے کا جو انتظام کرنا ہے۔ اس
 کے اعتبار سے میرے لئے آخر مارچ یا آخر اپریل دونوں برابر ہیں۔
 لہذا اس کے متعلق تشویش نہ ہونی چاہیے۔ اور محض اس خیال سے
 مارچ کو رد نہ کرنا چاہیے۔ روپیہ کا انتظام اللہ ہو جائے گا۔
 باقی حالات آپ پر اور زبیدہ پر چھوڑتا ہوں۔ ہارون کے نزدیک
 شادی کا اپریل تک التوا خود اس کے (یعنی ہارون کے) لئے خوشگوار
 نہیں۔ بلکہ ذہنی پچیدگی کا موجب ہے۔ اس خط سے تو یہی معلوم
 ہوتا ہے۔ کہ اپریل پر خواہ مخواہ اصرار نہ کرنا چاہیے۔ البتہ کوئی
 دیگر حالات مانع ہوں۔ تو کوئی اور بات ہے۔ ان کا مجھے علم
 نہیں۔ اگر تیاری میں کوئی کوتاہی رہ گئی۔ تو اس کا التزام ہم پر نہ آئے گا۔
 لہذا اس بارے میں زبیدہ کو کوئی ہراس اپنے اوپر طاری نہ کرنا
 چاہیے۔ ہارون کا خط کچھ "دردیلا" سا تھا۔ اس لئے میں نے مزاحم
 ہونا قرین مصلحت نہ سمجھا۔ صحیح حالات آپ کو منصور سے معلوم
 ہوں گے۔ جب وہ کراچی واپس آئے گا۔

اجاب کی یاد ابھی تازہ ہے۔ مجید لاہوری اور دیگر کرم فرماؤں
 کو سلام پہنچے

غربت کی صبح میں بھی نہیں ہے وہ روشنی

جو روشنی کہ شام سواد وطن میں تھی
 ”شام“ سے مراد وہ شام ہے جو آپ کے ہاں کشتی تھی۔ اور
 ”سواد“ پنجابی کا ”سواد“ ہے۔

خاکسار

بخاری

۸

نیویارک

۱۶ اپریل ۱۹۵۳ء

برادر محترم!

سلام مسنون۔ گرامی نامہ ملا۔ نمکدران بھی کتاب کے ساتھ ہی
 مل گیا تھا۔ خیال تھا کہ اس کے متعلق علیحدہ خط لکھوں گا۔ لیکن فرصت
 نہ ملی۔ مجید صاحب کو بہر حال میرا دلی شکر یہ پہنچا دیکھئے۔ نمکدران کی وجہ
 سے کئی دن اور شامیں روشن ہو گئیں۔ اور صحبتِ یاراں سرپیل کا
 مزہ آگیا۔ آپ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ نسیم کا ایسا جھونکا کبھی کبھار
 وطن سے آجائے۔ تو میں کتنی دیر تک یہاں مرتا رہتا ہوں۔

تنخواہ میں جو تخفیف ہوئی ہے۔ وہ پندرہ سو روپے ماہوار
 کے برابر ہے۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ کہ تخفیف کی ضرورت
 اس حد تک محسوس ہوگی۔ میں سمجھتا تھا۔ یہ عہدہ اتنا اہم ہے۔ اور
 یہاں ہم نے رستم کی گوریروہ لات ماری ہے کہ ہم مامون رہیں گے۔
 بہر حال ہماری خوش فہمی صحیح ہی کیوں ثابت ہوتی؟ اور یہ بھی خیال

جہاں کہ جو لوگ خود فارن سروس سے متفق نہ ہوں۔ اور باوجود اس کے سفیر وغیرہ مقرر ہوں۔ ان کی ریٹائرمنٹ کہیں ساٹھ برس کی عمر میں ہوتی ہے۔ میں نہ تو فارن سروس میں ہوں۔ نہ ابراہیم رحمت اللہ۔ ڈاکٹر عمر حیات۔ غضنفر وغیرہ کی طرح سیاسی زندگی سے سفارت پر آیا ہوں۔ مجھ پر کون سا قانون لگے گا؟ ہم پھر خوش فہمی میں رہے تا آنکہ حکم آیا کہ یکم اکتوبر ۱۹۵۳ء سے تم بہر حال سبکدوش کر دیئے جاؤ گے۔ عرض معروض کی ہے کہ مجھ پر فارن سروس والوں کا قانون وارد نہ کیا جائے۔ تو مجھے تو سب سے ملازمت لرزاق فرمائیے۔ ضابطے کا جواب ابھی نہیں آیا۔ لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ مجھ پر کچھ نہ کچھ نوازش ضرور ہوگی۔ اور مجھے ایک سال کی توسیع یعنی یکم اکتوبر ۱۹۵۴ء تک مل جائے گی۔ خدا کرے ایسا ہی ہوتا کہ مجھے کچھ مہلت مل جائے اور اپنا مستقبل قدرے سہولت کے ساتھ شکست و ریخت سے بچا سکوں۔

ساتھ ہی ساتھ تلاش معاش جاری ہے اور ادھر ادھر ہاتھ مار رہا ہوں۔ آثار قدرے اُمید افزا ہیں۔ سرکار کی ملازمت پر اب مزید تکیہ کرنا فضول ہے۔ کب تک کوئی میری معروضات پر غور کرتا رہے گا۔ ضابطے کا چکر بے پناہ ہوتا ہے۔ ہار بار اپنے آپ کو مستثنیات میں سے ثابت کرنا طویل عمل ہے۔ معاش کی تلاش امریکہ یورپ میں ہی کرنی پڑے گی۔ وطن میں بجز سرکاری ملازمت کے کیا ہے۔ جس کے ہم منشی لوگ قابل ہوں۔ اور جب سرکاری ملازمت سے ہل گئے۔ تو باقی کیا رکھا ہے۔ پنشن کی میعاد کے ساتھ

ہی کہولت بھی وارد ہو جاتی۔ تو کسی بستر پر پڑا رہتا۔ لیکن سخت جانی کا کیا علاج؟ " ابھی تو میں جوان ہوں " یا کم از کم ستر بہتر نہیں۔ وہ بے چارہ کیا کرے جو صابٹے کا بوڑھا ہو۔ اور دل دماغ کا بوڑھا نہ ہو۔

زیبیدہ کے خط سے معلوم ہوا۔ کہ ہارون کی شادی ستائیس اپریل کو ہوگی۔ اور آپ اس میں شریک ہوں گے۔ جزاک اللہ۔ آپ کی راہنمائی زیبیدہ اور بچوں کو حاصل ہوگی۔ تو میں پریشان کیوں ہوں۔ تاہم دل وہیں اٹکا رہے گا۔ ہو سکتا تو آتا۔ لیکن جو کچھ پس اناز کیا تھا۔ منصور کی شادی پر خرچ کر ڈالا۔ جو کھرچن باقی تھی۔ اسے جوں کا توں کر کے ہارون کے لئے بھیج دیا۔ اب محض قلندر ہوں۔ آئندہ معاش کا بھی کچھ یقین نہیں۔ عمر بھر جو کچھ کمایا تھا۔ وہ کچھ زیادہ تہ تھا۔ لیکن نہ معلوم کہاں چلا گیا؟ کسی دن فرصت سے اس پر غور کروں گا۔ لیکن یہی سب سے کہیں دفن کر رکھا ہو اور بھول گیا ہوں۔ میں نے عرصے تک آپ کو خط نہ لکھا۔ خیال تھا کہ آپ شاید مرزا غالب کے سلسلے میں سفر پر ہوں۔ خبریں یہاں دیر سے پہنچتی ہیں اور جو پہنچتی ہیں۔ ان کا مالہ و ما علیہ اکثر پوری طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ بہر حال کچھ سمجھنے کی ایسی جلدی بھی نہیں۔ روز مملکت خویش خسرواں آئندہ۔

آپ کی بہبود کا طالب خاکسار

بخاری

نیویارک

۵ مئی ۱۹۵۳ء

برادر محترم!

سلام مسنون۔ آپ کا بے تاریخ خط آج ملا۔ اس سے پیشتر وہ خط بھی موصول ہوا۔ جس میں عزیز بی اعجاز کے کوالفنا شامل (مشمول) تھے۔ اعجاز صاحب کے سلسلے میں میں نے سب سے پہلے بالواسطہ تحقیقات کی۔ کہ ایسے گریڈوں میں کھپتسا کی کیا کیا گنجائشیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ ابھی تک ہمیں ان سے سابقہ نہ پڑا تھا۔ (آپ نے فرمایا ہے کہ ”ان کا ایک ساتھی حال ہی میں مقرر ہو کر امریکہ جا چکا ہے“ معلوم نہ ہوا کہ وہ کون ہے؟ تفصیل مل جائے تو اس سے ہمیں اپنی مداخلت میں مدد ملے گی) جو حالات سرسری طور پر معلوم ہوئے ہیں۔ وہ یوں ہیں۔ کہ نمبر ۱ گریڈوں میں ہمیں اپنے کوٹے سے زیادہ حاصل ہے۔ نمبر ۲ کلرک عموماً مقامی طور پر کھرتی ہوتے ہیں۔ ورنہ آنے جانے کا خرچہ تنخواہ سے بھی تنجاؤ کر جاتا ہے۔ گویا یا تو امریکیوں کو بھرتی کیا جاتا ہے یا ان لوگوں کو جو غیر ممالک سے آئے ہوں۔ لیکن یہاں موجود ہوں۔ نمبر ۳ بطریق مغرب ایسے کام عورتیں کرتی ہیں۔ امریکی ذہنیت کے لئے ایسے کام پر کسی مرد کو مامور کرنا ایسے ہی اچھنبے کی بات ہے۔ جیسے ہم اپنے وطن میں چپڑاسی کے عہدے پر کسی عورت کو مقرر کرنا چاہیں۔ حالانکہ ظاہر ہے کام وہ بھی کر لے گی۔ یہ تو ہوئیں معمول کی باتیں۔ اب میں

خود کسی یا اختیار افسر سے ملا تو اتنے طے طور پر پوچھوں گا کہ باوجود ان رسمی موافقات کے کیا کچھ کبھی کوئی گنجائش موجود ہے۔ اور آپ کو بلا تاخیر اس سے مطلع کروں گا۔

تنخواہ تو یکم اپریل سے کم ہو گئی۔ توسیع کے متعلق ابھی کوئی یا ضابطہ حکم موصول نہیں ہوا۔ آخری خبر یہ ہے کہ وزیر خارجہ نے توسیع کی سفارش کی ہے۔ اور وزیر اعظم نے اس پر حکم صادر کیا ہے۔ مگر وہ سابقہ وزیر اعظم تھے۔ نہ معلوم اب صورت حال کیا ہے۔ افسوس آپ شادی پر نہ جاسکے۔ اس سے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ بھائی کی طبیعت اچھی نہیں۔ میں نے آپ سے کراچی میں بھی عرض کیا تھا۔ کہ یہاں کسی ڈاکٹر سے بذریعہ خط و کتابت مشورہ کرنا ہو تو بلا تاویل مجھے لکھ بھیجئے۔ خدا کرے کہ ان کی طبیعت سنبھل گئی ہو۔

شادی کے بعد زبیدہ کا خط نہیں آیا۔ اس لئے تفصیلات سے بے خبر ہوں۔ البتہ عین شادی کے دن منصور کالاہور سے تار آیا تھا کہ کام بخوبی سرانجام پا گیا۔ اب زبیدہ کے خط کا انتظار ہے۔ نہ معلوم اس غریب کو کس قدر کوفت ہوئی۔ لیکن بہو کا گھر لانا اس کے لئے یقیناً مسرت کا باعث ہوگا۔ افسوس کہ زمانہ اب وہ نہیں کہ شادیاں بطرز قدم چاؤ چوخیلوں سے کی جائیں۔ دلہا بدل گئے۔ دلہن بدل گئیں۔ خوشی یہاں نہ رہیں غرضیکہ "عبور کی قدر" مجھے اکثر اس بات کا شدید احساس رہتا ہے کہ زبیدہ کو کس قدر ذہنی شکست و ریخت کا سامنا ہوتا ہے۔ آج ذوالفقار کا خط آیا کہ پردین کی منگنی پشاور کے رئیس خان بہادر صفدر خان کے

صاحبزادے افضل سے ہو گئی ہے۔ الحمد للہ۔ خدا کرے اس بچی کی زندگی
کامران ہو۔ اس خبر سے بہت خوشی ہوئی۔

سلمان کو نیا گھر مبارک۔ ملیں تو میرا پیغام تہنیت پہنچا دیکھے گا۔
نمکدان کے پرچے ملے ان کے صفحات پر کبھی دوستوں سے مل گیا
اور مجید صاحب کے ساتھ مل کر ہنس لیا۔ مجید صاحب کو خدا نے شرافت
اور شرارت کا جو نسخہ بنایا ہے۔ وہ دل کی گرمی اور دماغ کی ٹھنڈک
کے لئے بہترین نسخہ ہے۔ انہیں میرا سلام شوق کہیے گا۔ یقین مانئے
نمکدان پہنچا تو میں نے اس کے بعض حصے پانچ چھ مرتبہ پڑھے۔ اور
سنائے۔ ان کی بدولت میں تو بالکل ہی تمک خوار ہو گیا ہوں۔

سرفراز کا پنجاب چلے جانا حیرت کا باعث ہوا۔ میں سمجھتا تھا کہ
ان کا یہ عہدہ ان کے لئے بہت ہی موزوں تھا۔ لیکن شاید وہاں تنخواہ
زیادہ ہو یا خدمت کی گنجائش زیادہ ہو۔ میرا نور احمد نہ معلوم اب کیا
کرتے ہیں؟ اختر صاحب کو کبھی میرا سلام کہئے گا اور ہاں وہ مردِ مومن
کو جس کا نام "گر نہیں وصل تو" ہے آجکل کسی شغل میں مصروف ہیں؟
ان کی کبھی کوئی خبر نہیں آئی؟ اگر سالک بے خبر نہیں تو وہ ضرور سجادہ رنگین
کر رہے ہوں گے۔ خدایا ان کا کیف کم نہ پادا!

خاکسار

بخاری

۴ جون ۱۹۵۳ء

برادر محترم!

سلام مستون! توسیع کے متعلق تو آپ کو اطلاع مل چکی ہوگی۔
 وزیر اعظم اور گورنر جنرل دونوں نے از حد محبت اور اخلاق خط لکھے۔
 ایک سال کی توسیع منظور ہوگئی ہے۔ اب کاش کسی کو اس سے پہلے
 ایسے بااخلاق خط لکھنے کی توفیق ہوتی۔ اکثر لوگ ضابطے کا خط لکھتے
 ہیں۔ تو یہ تہیہ کر کے لکھتے ہیں کہ اس میں مکتوب الہم کو اچھی طرح رگیدا
 جائے چنانچہ پیوست اس میں کوٹ کوٹ کر بھر دیتے ہیں۔ آدمی کو بھی
 میسر نہیں انسان ہونا۔

معاشر کی یہاں دو صورتیں ہیں۔ تعلیمی ادارے اور یو این امکانات
 دونوں ہیں۔ لیکن جب سے لوگوں کے کانوں میں بھنگ پڑی ہے
 کہ میں قومی خدمت سے سیکرڈوش ہونا چاہتا ہوں۔ دروازے پر
 کئی لوگوں نے دستک دی ہے۔ یو۔ این کا کام دفتری ہے۔ صبح
 نو بجے سے شام کے چھ بجے تک منیر پرشاد۔ لیکن تنخواہ نسبتاً
 زیادہ ہے۔ تعلیمی اداروں کا کام (از قسم مشقت) ہلکا ہے۔ لیکن
 تصنیف و تالیف کی کئی دلکش گنجائشیں اس میں نکلتی ہیں۔ البتہ
 تنخواہ نسبتاً کم ہے۔ جسے بقدر لب و دندان تصنیف کی آمدنی
 سے پھیلاتا پڑے گا۔ آج کل اس گونگو میں ہوں۔ رجحان تعلیمی کام
 کی طرف ہے۔ تصنیف کی ہو س عمر بھر سے ہے۔ کچھ حالات
 زمانہ اور بیشتر اپنی غیر صالح طبیعت کی بدولت وہ ہوس کبھی ٹھیک
 طرح پوری نہ ہوئی۔ خدا کرے آخری فیصلہ ہی ہو کہ تعلیمی کام کیا جائے۔

جب خدا سے دعا کی ہے۔ کبھی نیکی کی ہدایت نہیں چاہی۔ کیونکہ وہ
 اس نے پہلے سے دے رکھی ہے اور دل درداغ صراطِ مستقیم
 سے ہمیشہ آگاہ رہے ہیں۔ جب دعا کی ہے یہی کہ خدایا ہم کمزور
 ہیں۔ نیکی کو ہمارے لئے دل کش بنا۔ جہاں ثواب کا امکان
 ہو۔ وہاں تھوڑا سا خرما رکھ دے۔ بہت ہمیں تھوڑا سا۔
 ہم گدھے ہیں۔ تیرے اشارے کو سمجھ تو لیتے ہیں۔ لیکن اپنی
 کمزوریوں میں پاگل ہیں۔ اس لئے دور سے کبھی کبھار گلاب رکھا یا کر۔
 خیر آخری فیصلہ تو ہوتا رہے گا۔ ابھی تفصیلات پر بہت کچھ
 غور کرنا ہے۔ اس دوران میں تصنیف کی طرف رجوع ہونا چاہتا
 ہوں۔ لوگوں نے یہاں مشورہ دیا ہے کہ دو کتابیں تم فوراً لکھ
 ڈالو (انگریزی میں) ایک امریکیوں کے لئے اردو سکھانے کی
 کتاب۔ دوسرے امریکنوں کے لئے (ایک مختصر) تاریخ ادب
 اردو۔ ان کتابوں سے جو پیسے وصول ہوں گے۔ وہ آئندہ بہتر کتابیں لکھنے
 کے کام آئیں گے۔ اب آپ کے ذمہ کام یہ ہے کہ پاکستان سے ان کے
 لئے مصالحوں بھجیے۔ تاریخ ادب کے لئے تو بہت سی کتابیں جمع کرنی
 پڑیں گی۔ لہذا پہلے اردو سکھانے کی کتاب کا مصالحوں بھجیے۔ اور وہ
 مصالحوں یہ ہے۔ عبداللہ الحق کی تو اُردو، اور وہ یاقچہ کتابیں جو
 کسی زمانے میں صاحب لوگوں کے لئے لکھی گئی تھیں۔ (ذوالفقار
 اور شمس عارف دونوں اس کے ماہر ہوں گے) اس سلسلے میں
 مجھ سے مزید تبادلہ خیالات کرنا ہو۔ تو وہ بعد میں۔ پہلے جو کتابیں
 ہاتھ آئیں۔ وہ بھجوا دیجئے۔ مصارف میں ادا کروں گا۔ اس کے ساتھ

ساتھ تاریخ ادب کے لئے فہرست کتب بھی مرتب کرنا شروع
کر دیجئے۔

یہ کام بارِ خاطر تو نہ ہوگا اور کس سے کہوں؟ امتیاز کا بار
بارِ خیال آتا ہے۔ لیکن وہ ایسے کاموں کے لئے مدت سے بے کار
ہو چکے۔ وہ سستی نہ کرتے تو انہوں نے اور ہم نے مل کر تاریخ
ڈرامہ پر ایک نہایت معقول کتاب آج سے دس پندرہ سال پہلے
لکھی ہوتی۔ عباس صاحب اکثر کرم فرمائی کرتے ہیں۔ لیکن وہ کچھ
اپنے نغموں میں ایسے گرفتار ہیں۔ کہ پہلی سی اچھلا ہٹا ان میں نہیں
رہی۔ یا قی آئندہ!

خاکسار

بخاری

۱۱

نیویارک

۱۲ جولائی ۱۹۵۳ء

برادر محترم!

سلام مسنون! آپ کا یکم جولائی کا خط چند دن ہوئے بلا کتابوں
کا پارسل بھی بل گیا۔ بے حد شکریہ۔ جانتا تھا کہ کراچی میں کتابوں کا
جمع کرنا جبراً ثقیل ہے۔ تاہم آپ کو تکلیف دینے سے باز نہ آیا۔
اور کیا کرتا؟ رشید (ریڈیو والے) سے یہاں کئی صحبتیں ہوئیں۔ ان
سے کتابوں کے بارے میں میں نے اپنی مشکلات بیان کیں۔ انہوں

نے کہا۔ ہم آپ کے لئے کراچی میں ایک اکیڈمی قائم کریں گے۔ جو
 آپ کے حسب ضرورت آپ کو اردو کی کتابیں بھیج دیا کرے گی۔
 تاکہ اگر آپ نیویارک میں بیٹھے بیٹھے تصنیف و تالیف کا شوق پورا
 کرنا چاہیں۔ تو بے کتابی سدا راہ نہ ہو۔ میں نے کہا۔ اس اکیڈمی کا
 مہتمم کون ہوگا۔ یعنی میں یہاں سے خط کسے لکھوں؟ انہوں نے اپنا
 نام پیش کیا۔ یعنی میں انہیں لکھوں گا۔ اور وہ اجاب کو بے گار
 میں پکڑ کر جیسا جس سے ہو سکا۔ کتابیں حاصل کر کے مجھے بھجوا دیا
 کریں گے۔ اس وعدے بلکہ دعوے کی بنا پر میں انہیں کبھی آزماؤں گا۔
 لیکن وہ بھی آپ ہی کی طرف رجوع کریں گے۔ اور اگر ان کی توجہ
 کبھی کارگر ہوئی۔ تو اس میں آپ کا ہاتھ ہوگا۔ اس سے ملاقات
 ضرور کیجئے۔ یہاں آکر ان کی طبیعت میں چند شگوفے پھوٹنے لگے۔
 اور ان کے ذہن کو ایسی جلا ہوئی۔ جس کی انہیں ساہما سال سے ضرورت
 تھی۔ واپس پہنچ کر پھر پھینچوندی لگنے لگے۔ تو میں کہہ نہیں سکتا۔ آپ
 کی جواں فکری کا اکثر تذکرہ رہا۔ گورنمنٹ کالج کے علم پرست اور
 سخن شیخ کردہ یعنی راشد، رشید، حمید، امتیاز وغیرہ ہم۔ چندے
 شمعوں کی طرح روشن ہوئے۔ لیکن کچھ عجب ہواؤں کا سامنا ہوا کہ
 شعلے سے زیادہ دھواں ان کی قسمت میں لکھا تھا۔ کوئی گلگیری کا سامان
 بھی نظر نہ آیا۔ چنانچہ ساہما سال سے بس سلگ رہے ہیں۔ آپ
 کو جن چشموں نے سیرا ب کیا ہے۔ ان کی تازگی کبھی کم نہ ہونے پائی۔ اس
 پر میں اور رشید گھنٹوں باتیں کرتے رہے۔ آخر آپ کو ہزار ہا دعائیں
 دے کر آپ سے عہدِ محبت پھر تازہ کیا۔ اس نے بھی میں نے بھی۔

یہ لمحے رشید اور میری زندگی کے بہترین لمحے تھے۔ اسے وقت تو خوشی کہ
وقت یا خوشی کر دی۔

کتابوں کا پھر شکریہ اتاریخ ادب کی مسمی کتابوں میں سے صرف
آب حیات میرے پاس ہے۔ باقی جب میسٹر ہوں۔ کھجواد یکھے۔
پہلے ایک سرسری خاکہ بنا لوں۔ اس کے بعد اصل کتابوں کی ضرورت
بھی پڑے گی۔ یعنی "سب رس" سے لے کر انارکلی تک۔ لیکن یہ مرحلہ
ابھی دور ہے۔ ابھی تو پہلے چند قدم تول رہا ہوں۔

اب کے آپ نے طویل خاموشی کے بعد خط لکھا۔ خط لکھنے کے
معاملہ میں آپ نے کچھ موسموں کا سار تہہ حاصل کر لیا ہے۔ دو چار
دن سے زیادہ ادھر ادھر نہیں ہوتے۔ اس لئے بارانِ کرم میں غیر
معمولی تاخیر ہو۔ تو ہم مرجھانے لگتے ہیں۔ آج کل آپ کے کام کاج
کا کیا حال ہے۔ کیا اب بھی آپ کا وہی منصب ہے جو سابق وزارت
کے زمانے میں تھا؟

مجید لاہوری، رشید اختر ندوی اور حسرت اور دیگر اجاب کو سلام
سنجھے۔ امید ہے بھائی کا مزاج اب بخیر ہوگا۔ اور تشویش کی کوئی وجہ نہ
ہوگی۔ انہیں میرا مؤدیانہ سلام کہیے۔

خاکسار

بخاری

۲۲ اکتوبر ۱۹۵۳ء

برادر محترم!

سلام مسنون! گرامی نامہ ملا۔ بیماری میں اکثر یاد آئے۔ جہاں گردی
سیر و سیاحت کے لئے خوب ہے۔ لیکن قدرت کو کوئی ایسا
انتظام ضرور کرنا چاہیے۔ کہ انسان بیمار ہو تو اپنے وطن ہی میں۔ اور
دفن ہو تو اپنی ہی مٹی میں، علاج تو یہاں سے بہتر ساری دنیا میں نہیں۔
لیکن روح کے زخم بھر نہیں پاتے۔ روح کی مسیحائی اجاب ہی سے
ہو سکتی ہے۔ آپ خط جلد لکھتے تو اچھا ہوتا۔ میں جواب نہ دے
سکتا لیکن آپ کی آواز تو سن لیتا۔ یہ حال اب بھی آپ کا خط برکت
کا موجب ہوا۔ یہ آپ نے خوب پوچھا کہ علالت کیا تھی۔
جو ہم جیسے اہل دل ہیں وہ کب تک دل کو سینہ ہالے رہیں گے۔
اس سے پہلے تو کوئی آثار نہ تھے۔ لیکن یہ پچھلا سال مجھ پر بہت
گراں گزرا۔

پاکستان کا سفر اتنا مختصر تھا کہ اس سے جسم کو کچھ آرام نہ ملا۔
اخراجات بہت زیادہ ہوئے۔ واپس پہنچا تو بعض بزرگوں کی
تنگ نظری سے جو خطرے لاحق تھے۔ وہ صحیح ثابت ہوئے۔ پھر
تنخواہ کم ہوئی۔ پھر ریٹائرمنٹ کا نوٹس ملا۔ جب مجھ سے مایوس
ہوئے۔ تو امریکنوں نے اپنا ایک آدمی کھرا کیا۔ اور اسے منتخب کر دیا۔
پھر ہمیں سرکار پاکستان سے ایک سال کی توسیع ملی۔ اس میں تلاش
معاش شروع کی۔ کچھ تدبیریں کامیاب ہوتی نظر آنے لگیں۔
تو بیمار پڑ گیا۔ اب اچھا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے۔ پھر کوشش

شروع کر دوں گا۔

لاہور کے کاٹے کا علاج نہیں۔ آپ ہر دلعزیز انسان ہیں۔ جہاں جاتے ہیں۔ آپ کے گرد عقیدت مندوں کا حلقہ ایک مستقل عرس شریف کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ تاہم آپ کے لبوں سے بھی اکثر لاہور کے نام پر آہ نکلی۔ خلیفہ حکیم کو میں نے ایک خط کئی مہینے ہوئے لکھا تھا۔ دست بستہ عرض بھی کی تھی۔ کہ جواب ضرور لکھئے گا۔ لیکن وہ بے کار یا کار انسان خط کے معاملہ میں حد درجہ کاہل ہے۔ امتیاز سے بھی سلسلہ پیام کچھ عرصہ سے بند ہے۔ بشرہا ستمی کا ایک خط (از حد رقت آمیز) الیتہ چند دن ہوئے آیا تھا۔

لیجئے ایک اور کام آپ کے کرنے کا نکل آیا۔ ایک پبلشر نے مجھ سے ایک بچوں کی کہانی مانگی ہے۔ (تخمیناً ایک ہزار الفاظ) یہ ایک مجموعہ میں شامل کی جائے گی۔ جس میں سب دیگر اقوام کے بچوں کی کہانیاں بھی شامل ہوں گی۔ کہتے ہیں۔ کہانی ایسی ہو جو قدیم FOLKLORE پر مبنی ہو۔ دس یا وہ سال کی عمر کے بچوں کے لئے موزوں ہو اور ممکن ہو تو ایسی ہو کہ اس سے صلح و آتش کا سبق اخذ کیا جاسکے۔ نہ قتال و جدال کا۔ یعنی وہ ہو ٹھیکہ دلیسی کہانی۔ ہو بھی بچوں کے کام کی۔ اور پو۔ این کے نصب العین پر بھی پوری اترے۔ اب ایسی کہانی کا انتخاب وہی لوگ کر سکتے ہیں۔ جن کی کودکی اجبار پھول میں مفعول فاعلاتن کرتے گذری ہو۔ پہلے خیال آیا۔ امتیاز سے پوچھوں۔ لیکن اب جلد جواب کی توقع نہیں۔ اس لئے آپ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ عباس بھی تو کراچی ہی میں ہیں۔

آپ دونوں مل کر ایسی کہانی انتخاب نہ کر کے تو اور کون کرے گا۔
 کہانی اردو میں سمجھو ادیکھے۔ میں اس کا ترجمہ یہاں کر لوں گا۔ اور
 عباس سے کہیے کہ ان کی کہانیوں کا ترجمہ بھی جاری ہے۔ یعنی بیماری
 تک جاری تھا اب پھر متوجہ ہوں گا۔ امین الدین کے انتقال کی
 خبر آپ کے خط سے ملی۔ زبیدہ نے میری بیماری کے پیش نظر
 اسے مجھ سے پوشیدہ رکھا۔ حسرت کاشمیری اور مجید لاہوری
 دونوں کو میرا سلام۔ وہ کاشمیری اور لاہوری ایسے ہی ہیں۔ جیسے میں پاکستانی
 ہوں۔ ہم تینوں کی قسمت ایک ہی فرشتے نے تصنیف کی تھی جس
 دیار کو فخریہ ہم نے اپنایا۔ اسی سے اخراج ہوا۔ عنقریب ایک اور
 خط لکھوں گا۔ پیاس نہیں کبھی۔

خاکسار

بخاری

۱۳

نیویارک

۲۱ نومبر ۱۹۵۳ء

برادر محترم!

سلام مسنون! گرامی نامہ یکم نومبر کا لکھا ہوا ملا۔ مختصر لیکن
 بہر حال مکتوب محبوب۔ دل سیر نہ ہوا۔ آنکھیں تو روشنی ہوئیں۔
 اس اثنا میں بشر ہاشمی کا خط بھی ملا۔ جن دنوں آپ لاہور میں تھے۔ اور
 دھڑا دھڑا فیتیں آپ کے اعزاز میں ہوا ہی تھیں۔ ان دنوں وہ

بے چارہ ٹائیفائیڈ میں مبتلا تھا۔ اور ماتم کر رہا تھا۔ کہ آپ کی صحبت سے محروم رہا۔ ان کے میرے درمیان خط و کتابت نے حال ہی میں ایک مخصوص رنگ اختیار کر لیا ہے۔ وہ بھی بیمار میں بھی بیمار۔ وہ برلب پنشن میں بھی برلب پنشن۔ دونوں کے خط ایک ہی زمین میں ہوتے ہیں۔ البتہ ان کے کلام میں سوز مجھ سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور نزاکت طبع بھی مجھ سے دائر۔ چغتائی کے خطوط بھی حال میں مسلسل آئے۔ وہ اپنے گنبد علاج میں میری بیماری سے بے خبر رہے۔ چنانچہ ان کے خطوط کا لہجہ بے حد تندرست ہے۔ اور اکثر مقوی ثابت ہوا ہے۔ ایک کہانی انہوں نے اس دوران میں لکھی ہے۔ (یہ بات بصیغہ راز ہے۔ آپ بھی ذکر کر رہا ہوں۔) بات باہر نکلی تو وہ برہم ہو جائیں گے۔ کسی فلم ساز کمپنی کو یہ افسانہ بخشنا چاہتے ہیں۔ مجھے یہ خدمت سونپی ہے۔ کہ اس کا پہلے انگریزی میں ترجمہ کروں۔ اور پھر دوستانہ دلالی کرو۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ اور ان سب کی توقعات پوری ہو جائیں لیکن میرے اختیار و اقتدار و رسوخ کا اندازہ لگانے میں جا بھی دکھائی ہے۔ ڈائریکٹر تک کا نام تجویز کر ڈالا ہے۔ کہ وہ ہی اس قسم کے افسانے کو نبھاسکے گا۔ اور اس کو آپ یقیناً جانتے ہوں گے۔ بلکہ دانٹ کاٹے کی روٹی — وغیرہ وغیرہ۔

آپ کا اور عباس کا شکریہ ایہ بچوں کی کہانی جس کی مجھے تلاش ہے۔ محض خیراتی کام ہے۔ یو۔ این کی بعض ادھیڑ عمر کی عورتوں نے ایک مضمون کا "گلد" بنایا ہے۔ اس سے پہلے مختلف

اقسام کے کھانوں کے ترکیبی نسخے شائع کر چکی ہیں۔ آپ کہا نیوں کی طرف متوجہ ہوئی ہیں۔ بین الاقوامی پن، مادریت، اور تصنیف تینوں پرندوں کو ایک پتھر سے مارنا چاہتی ہیں۔ امتیاز کو کیا ہوا۔ کبھی خط لکھنے کا نام نہیں لیتے۔ کئی مرتبہ میں نے پہل کی۔ مگر ہر مرتبہ تھک کر بیٹھ گیا۔ پھر چندے اور اجاب کی وساطت سے ان کو سلام شوق بھیجتا رہا۔ وہ بھی قبول نہ ہوا۔ تو اسے بھی ترک کر دیا۔ اس بے چارے پر کچھ عجیب سی کہولت سی چھا گئی بسٹوڈیو اور گھر کے آنگن سے باہر نہیں نکلتا۔ زبیدہ کے خط سے معلوم ہوا۔ کہ حجاب اور یاسمین کو ٹائیٹفائیڈ لاحق ہوا۔ خدارحم کرے۔ یہ خبر سن کر بہت رنج ہوا۔ لیکن کیا کروں۔ امتیاز تک عرض نیاز کرنے کے سب رستے بند معلوم ہوتے ہیں۔ کبھی آپ سے عشق اللہ ہو تو میرا سلام کہیے گا۔

دو تین دن ہوئے حمید الدین (ابن ڈاکٹر صدر دین مرحوم) امریکہ پھر وارد ہوئے۔ ان سے لاہور کا ذکر دیر تک رہا۔ صوفی کی بے عنایتیوں سے ملوم تھے۔ کچھ تو اس میں حمید الدین کی اپنی تنگ نظری بھی شامل تھی۔ لیکن اس سے قطع نظر کچھ حقیقت بھی ان کے بیان میں ضرور تھی۔ حمید کے خیال میں لاہور بے حد خزاں زدہ ہے۔ گیارہ بجے کے بعد محتسب تنگ کرتے ہیں اور ہر راہرو کو آوارہ سمجھتے ہیں۔ کچھ حال عابد علی عابد کا بھی بیان کیا۔ اس کی زندگی بھی سدا نوسروس رہتی ہے۔ لیکن اگر ماند شے ماند کا ورد کرتے معلوم ہوتے ہیں۔

چاہتا ہوں کوئی پبلشرم سے ٹیکسٹ بک لکھوائے۔ عمر بھر

یہ کام نہیں کیا۔ لیکن اب یہ گناہ کرنے کو بھی دل چاہتا ہے۔ کسی کو
 ٹٹول کر تو ذرا دیکھئے۔ میں نے ہاشمی سے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔
 آپ لوگ خیال رکھیں تو ممکن ہے۔ کوئی سبیل نکل آئے۔ تاکہ
 اس عمر میں جب میں خود یونیورسٹی وغیرہ میں نہیں۔ میری قیمت
 گر گئی ہوگی۔ تاہم کوئی عقل کا اتدھا نہیں گانٹھ کا پورا مل جائے۔ تو
 عجب نہیں عمر بھر میں "نہ" کہتا رہا۔ اب "ہاں" کہنے کو تیار ہوں۔
 ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔

اور بھی باتیں کہنے کی ہیں۔ لیکن آئندہ خط میں ان کا ذکر کروں گا۔
 آپ کو جب بھی خط لکھنے بیٹھتا ہوں۔ جبراً اسے ختم کرتا ہوں۔
 ورنہ عاشق کی داستان اسے محبوب کب ختم ہوتی ہے۔ حسرت
 اور مجید لاہوری اور اختر ندوی اور عباس اور دیگر اجاب کو میرا نام
 اور شوق یاد دلا دیکھے گا۔ تازہ تازہ خبر آئی ہے کہ ڈان پر عتاب
 نازل ہوا۔ ڈان اور حکومت کے باہمی عشق کے رموز آج تک سمجھ
 میں نہیں آئے۔ موہانی کا شعر یاد آیا کہ ہے

عشق کامل کے دونوں ہیں مرغوب

سحر و وصل و شام تنہائی

خط لکھتے رہیے۔

خاکسار

بخاری

نیویارک

۲۱ نومبر ۱۹۵۳ء

برادر محترم!

سلام مسنون! بخیر ہے کہ میں ایک کتاب ایڈٹ کروں۔ جس کا عارضی نام فی الحال "A STUDY OF PAKISTAN" قرار پایا ہے۔ پندرہ ابواب ہوں گے۔ ہر باب میں پاکستان کے کسی نہ کسی پہلو پر روشنی ڈالی جائے گی۔ مصنف ایک نہیں بلکہ کئی ہوں گے۔ پبلشر کو بلیا یونیورسٹی پریس یا اسی پائے کا کوئی ادارہ امریکن ناشر ہوگا۔ کئی تصاویر اور نقشے وغیرہ بھی کتاب میں شامل ہوں گے۔ ایالات کا باب غالباً محمد علی وزیر خزانہ لکھیں گے۔ بعض تاریخی موضوعات پر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کو دعوت دی گئی ہے۔ چند ابواب راقم الحروف لکھے گا۔ ایک باب پاکستان کے جرنلزم پر ہے۔ دو ہزار الفاظ سے پانچ ہزار الفاظ تک۔ میرا خیال ہے کہ آپ سے زیادہ موزوں کوئی شخص نہ ہوگا۔ آپ اردو میں لکھ ڈالیں۔ انگریزی میں ترجمہ یہاں ہو جائے گا۔ ثواب تو ظاہر ہے۔ شاید خرچے کی صورت بھی نکل آئے۔ ابھی کہہ نہیں سکتا۔ کتاب بہر حال دنیا بھر میں مشہور ہوگی۔

مضمون عالمانہ ہونا چاہیے۔ اور آپ کے قلم سے توقع بھی یہی ہے۔ قارئین کے دو پہلو مد نظر رہیں۔ اول وہ پاکستان کے جرنلزم سے بے خبر ہوں گے۔ دوم وہ خود جرنلزم کے نشیب و فراز کو اچھی طرح سمجھتے ہوں گے۔ کچھ سلسلہ کلام اس قسم کا مناسب

معلوم ہوتا ہے۔ کہ تقسیم سے پہلے ہمارے ہاں اخبارات
 کی کیا حالت تھی۔ تورات کیا تھی۔ اشاعت کیا۔ لکھنے والے، ایڈیٹر
 اور مالک کون ہے۔ اخبارات کی چال ڈھال کیا تھی؛ سیاست کے
 کون سے پہلو اڈیٹر کو مرغوب تھے؛ تقسیم کے بعد حیرت منگ میں کیا
 انقلاب آیا۔ پریسوں کی کیا حالت ہوئی۔ انقلاب کے بعد توازن
 کہاں کہاں آن کر ٹھہرا۔ اردو کے کتنے اخبار ہیں۔ انگریزی کے
 کتنے؛ بنگالی کے کتنے؛ اشاعتیں کیا ہیں؛ موضوعات کیا ہیں؛ اس
 پانچ چھ سال کے عرصہ میں سب سے زیادہ بحثیں اخباروں میں
 کن موضوعات پر ہوئیں۔ اور کس قسم کے خیالات کا اظہار ہوا اور
 اخبارات کی تیاری کیونکر ہوتی ہے (لیتھوٹائپ وغیرہ) اشاعتیں کیا ہیں۔
 حلیہ اور نقشہ کیا ہے۔ روزانہ ہفتہ وار ایڈیشن، ادبی مضمون،
 شعر، مجید لاہوری وغیرہ وغیرہ) پریس کے قوانین کس قسم کے ہیں؛
 کیا اخباروں کی زد میں آتے ہیں۔ یا اتکا دکا (ایسی باتیں احتیاط سے
 لکھی پڑیں گی۔ لیکن نہ اس قدر کہ بالکل ہی بے ذوق ہو جائیں۔
 اسی لئے آپ کا خیال آیا کہ آپ میانہ رو مضمون اعلیٰ درجے
 کا لکھ سکتے ہیں۔ مضمون بہر حال معلومات سے پر ہونا چاہیے۔ اور یہ
 آپ کے لئے مشکل نہیں۔ آپ کے مختصر سوانح میں خود لکھوں گا۔
 کہیے کیا خیال ہے؛ خدا کرے آپ کا جواب اثبات میں ہو۔
 مضمون کے لئے آپ کو کتنی مہلت درکار ہوگی۔ اردوں کو ایک،
 دو مہینے کی مہلت دی گئی ہے۔ یہ کم نہیں اور امید ہے کہ آپ کو بھی منظور ہوگی۔
 جواب سے سرفراز کیجئے۔

ایک باب ادبی رجحانات پر ہے۔ وہ خود لکھنے کا ارادہ ہے۔
لیکن مواد اور مصالحہ یہاں تا پید، یہ تو ایک طرف، یہاں مجھے یہ
تک معلوم نہیں، کہ رسالے کون کون سے اور کتنے نکلتے ہیں۔ باقی
ایسے مضمون کے لئے جو معلومات درکار ہیں۔ اس کا اندازہ آپ خود
لگا سکتے ہیں۔ عباس کو بیگار میں پکڑیے اور ان سے کہیے کہ میری
مدد کریں۔

جرنلزم کے سلسلے میں خیال آیا۔ کہ اگر کوئی مزیدار اخباری نظمیں
پیش نظر ہوں۔ تو ان کا ترجمہ بھی غونٹہ شامل کیا جاسکتا ہے۔ اور
ہاں کارٹونوں کا ذکر بھی کئے گا۔

ذوالفقار سے ریڈیو پر لکھواؤں گا۔ لیکن ذرا وقفے کے بعد۔
دہ آج کل سپر کی شادی کے انتظام میں مہمگاہ ہوگا۔ شادی مورخہ
۲۵ دسمبر کو ہے۔ آج ذوالفقار کا خط آیا ہے۔ آج ہاشمی کا
خط بھی آیا۔ درسی کتابوں کا بازار مندر معلوم ہوتا ہے۔ بقول ہاشمی
کے ہزاروں لاکھوں کا زمانہ گیا۔ اب تو کوئی دو تین ہزار روپیہ سال کا بھی
لے مرے۔ تو غنیمت ہے۔ لیکن اس نے مزید تقیث کا وعدہ کیا ہے۔

ایک کتاب "PUNJAB PRELUDE" نامی میرے
پاس ریورلو کے لئے آئی ہے۔ مصنفہ کا نام مس "PRIOR"
ہے۔ جو کچھ مرصہ ہوا۔ اپنی سن کالج میں پڑھاتی تھیں۔
شاید اب بھی پڑھاتی ہوں۔ پاکستان اور پنجاب پر قدا ہیں
۔ یاریار ثابت کرتی ہیں کہ پنجابی
اور انگریز دونوں ایک ہی نسل سے ہیں۔ ایک باب ہاشمی

صاحب کے خاندان پر (بہ تفسیر اسما) ہے اور پیار سے لکھا ہے۔ میرا منڈی کے جلوے سے بھی واقف ہیں۔ ایک حصہ "بوائے اینڈ گرل ٹریبل" کے متعلق ہے۔ صمیمتہ "بوائے اینڈ بوائے ٹریبل" کا حال بھی بیان کیا ہے۔

خاکسار

بخاری

آج یہاں کے اخبار میں خبر چھپی ہے۔ کہ کا بینہ میں ردو بدل ہونے والی ہے۔ نیز یہ کہ فوج کے افسروں میں بددلی ہے۔ اللہ اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ہر قسم کی آفت سے بچائے۔ ہم یہاں پاکستان کی بہبود اور پاکستانیوں خصوصاً اپنے اجباب و اقربا کی بہبود اور سلامتی کے لئے دست بدعا رہتے ہیں۔

۱۵

نیویارک

۹ دسمبر ۱۹۵۳ء

برادر محترم!

سلام مسنون! گرامی نامہ ملا۔ جو ۳ نومبر کا تھا۔ یہ آپ کے مفصل تر خطوں میں تھا۔ لہذا بہت لطف آیا۔ اور ذہن سے لمبی چوڑی مسافت مزے لے لے کر طے کی۔ مضمون کے متعلق عرض یہ ہے۔ کہ قبل پاکستان کے ان اخباروں کا تذکرہ دل سے خالی نہ ہوگا۔

جو موجودہ پاکستانی علاقہ سے شائع ہوتے تھے۔ تاکہ اس علاقے کی صحافتی مدد جبر کا کچھ حال معلوم ہو۔ نیران اخباروں کا ذکر بھی مناسب ہوگا۔ جو پاکستانی علاقے سے شائع تو نہ ہوتے تھے۔ لیکن جن کا پاکستانی تحریک سے گہرا تعلق تھا۔ مثلاً "ڈان" اتنا کہنے کے بعد یہ بھی کہنا لازم ہے کہ میرا یہ مشورہ فضول سا ہے۔ دراصل پاکستانی صحافت کا حال بیان کرنا ہے۔ اب ان کا پس منظر بیان کرنے کے لئے کن چیزوں کی ضرورت ہے۔ یہ آپ کے حسن مذاق اور احساس ربط پر چھوڑتا ہوں۔ اس سے بڑھ کر کسوٹی بھی کوئی نہیں۔ البتہ یہ خیال رہے کہ قارئین انگریز اور امریکین ہوں گے۔ اور جس بیچ سے یہ باب کتاب میں شامل ہوگا۔ اس سے پاکستانی معاشرت پر روشنی ڈالنا مقصود ہوگا۔ غیر ملکوں کے لوگ ایشیائی ممالک کے بارے میں اکثر ان باتوں سے بے خبر ہیں۔ اور معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ایشیا کے لوگ کس قسم کے لوگ ہیں۔ کیا کر رہے ہیں۔ کیا سوچ رہے ہیں۔ کس رخ جا رہے ہیں۔ ڈور کس کے ہاتھ میں ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان خیالات کے زیر عنوان صحافت کے بارے میں بھی معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ کہ اس آلہ جمہور کا ایشیا میں استعمال کیا ہے۔ کون کر رہا ہے؟ کون لوگ اس سے افریدہ پذیر ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایسی باتیں کہ کتنے لوگ اخبار خریدتے ہیں۔ اور (اگر ہر اخبار کی ہاتھوں سے گزرتا ہے) کتنے لوگ اخبار پڑھتے ہیں۔ یہ لوگ کس طبقہ کے ہیں۔ کس قسم کی خبریں زیادہ جاذب توجہ ہوتی ہیں۔ کس قسم کی خبریں نادر یا

منفقور۔ کون سے طبقے اخبار سے بالکل ہی مامون (یا محروم) ہیں اس نوع کی باتیں یہاں لوگوں کے لئے از حد دلچسپ ہوں گی۔ لوگوں کو یہاں کریدرتی ہے کہ ایشیائی ممالک جنہوں نے حال ہی میں آزادی حاصل کی ہے۔ اپنی آزادی کو کیا یا اس پنا رہے ہیں۔ اس کے تحت میں آپ جانتے ہیں۔ صحافت ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ لوگ اکثر اس کے متعلق سوالات پوچھتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر حیدرآباد میں کراچی میں تھا۔ مجھے پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ آئین کے متعلق اچھی سیری جتنی بھی بخشیں ہو رہی ہیں۔ وہ اخبارات کے کالموں میں ہی ہو رہی ہیں اور ممالک میں اس کے علاوہ انجمنوں، سیاسی جماعتوں، جلسوں اور لیکچروں میں بھی مختلف آراء کا اظہار کیا جاتا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوا۔ جہاں تک میرا خیال ہے یا تو لوگوں نے دوستوں کے حلقوں میں بحثیں کیں۔ یا اخبارات میں آئینی اقدامات کے عالم و مافیہ پر بحث ہوئی اور بس۔ اب اگر میرا اندازہ صحیح ہے تو یہ بات بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس قسم کی کئی باتیں۔ آپ کے پیار آفریں دماغ کو خود ہی سوچیں گی۔ آفتاب کو چراغ کیا دکھاؤں۔ "ماہ نو" والا مضمون مجھے بھجوادیکھئے۔

"ادبی رجحانات" کے متعلق عرض کیا تھا۔ کہ مری جاننے سے عباس سے استفادہ کیجئے۔ اس کے متعلق آپ نے کچھ نہ فرمایا۔ آپ کہیں تو میں اس سے براہ راست خط کتابت کروں۔ شاید آپ کو اس میں سہولت ہو۔ بچوں کی کہانی کے متعلق آپ کی مساعی کا شکریہ ادا

امتیاز کے خط کا انتظار کر رہا ہوں۔

ہاشمی کہتا ہے۔ کتابوں والی بات یہ ہے کہ حالات قطعی وہی ہیں جو اس سے پہلے عرض کر چکا ہوں۔ ہاں سالک صاحب کراچی کے امریکن پبلشرز کو اور سٹول لیں تو بہتر ہوگا۔ چنانچہ ہاشمی صاحب کا ارشاد آپ کے گوش گزار کر رہا ہوں۔

اس خط کو ختم کرتا ہوں۔ عنقریب ایک اور خط بلا وجہ لکھوں گا۔ ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے۔ صحت بہت خراب ہے۔ آج چوہدری ظفر اللہ خان یہاں سے رخصت ہوئے سیاحت کرتے کراتے ۵ جنوری کو کراچی پہنچیں گے۔ اسمبلی ختم ہوئی۔ اب نسبتاً ذہن پر بوجھ کم ہوگا۔

خاکسار

بخاری

خط کے پتے پر میرا نام لکھ دیا تو منصب لکھنے کی ضرورت نہیں۔ دیکھا آپ کو اس کے لئے بہت خفی قلم استعمال کرنا پڑا۔ اس سے مجھے خفت ہوئی۔

نیویارک

جان برادر!

سلام مسنون! کئی دن سے آپ کا خط نہیں آیا۔ خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔ آپ کا آخری خط اعلیٰ واہ تھا جس میں آپ

نے "زمزمہ" کے تاریخی حالات لکھ بیٹھے تھے۔ اس کا میں نے انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اچھا خاصا پراز معلومات مقالہ بن گیا۔ اور اس کی بدولت میں مفت میں تاریخ دان بن گیا۔ ہیننگ لگی نہ پھٹکری۔ ترجمہ بھی کیا نعمت ہے۔ اسی لئے تو اجاب سے عرض کرتا ہوں کہ ترجمہ کے لئے مصالحو فراہم کیجئے۔ بعد اس نے اس بارے میں دستگیری کا وعدہ کیا تھا۔ ایک خط بھی اس مضمون کا انہوں نے لکھا تھا۔ پھر خاموش ہو گئے۔ ملیں تو یاد ہانی کرادیکھئے گا۔ آج کل پڑ مردہ رہتا ہوں۔ تحفیت کی زد میں آ گیا ہوں۔ تجویز ہے کہ اس عہدے کو فوراً یعنی اپریل سے ستمبر کے گنا کر دزیر کر دیا جائے۔ اس کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ مجھے یہاں سے بدر کیا جاتا۔ لیکن ارباب اقتدار نے اتنا کرم ضرور کیا کہ اگر مجھے دیر تینا بھ منظور ہو تو یہاں سے نہ نکالا جاؤں۔ میرے حالات آپ جانتے ہیں جس عارضے یعنی سرطان کا خطرہ لاحق ہے اس کی وجہ سے میں یہاں سے ہل نہیں سکتا۔ چنانچہ یہی منظور کر لیا۔ مرتا لیا نہ کرتا۔ اب نہ معلوم یہ بھی کب تک ہے۔ اکتوبر میں اپنی مستقل ملازمت سے ریٹائر ہو رہا ہوں۔ (وقت گزر گیا۔ اور ہمیں اس کا احساس بھی نہ ہوا۔ ریٹائر ہونے کا سال اور مہینہ بھی یاد نہ تھا۔ خط لکھ کر وزارت تعلیم سے رٹا کیا۔ جواب آیا تو چونک اٹھا) نہ معلوم اکتوبر کے بعد کیا حشر ہو۔ نو بیع ملے نہ ملے اور ملے تو کیا شر ابطرا اور کیا کام مجھ سے لیا جائے۔ میں بھی عجیب خوش فہم ہوں۔ اب تک یہی غرہ تھا کہ اس عہدے پر ہم نے وہ خدمت گدائی کی ہے۔ اور رستم کی گورپر وہ

لات ماری ہے کہ ہمیں یہاں سے کہیں اور منتقل کرنے کا خیال بھی کسی کو نہ آئے گا۔ لیکن ملازمت تو ایک چکی ہے۔ چکی میں دانے کی کیا حیثیت ہے کہ چاہے تو پسے اور چاہے تو تہ پسے۔ عرض و معروض تو کی ہے۔ دیکھئے کہا حشر ہو۔ آپ جانتے ہیں۔ میں عمر بھر جنبہ داری سے دُور رہا ہوں۔ محض خدمت گزار اور خدا پر اعتماد رہا ہے۔ کون ہو گا۔ جو اپنی مصلحتیں چھوڑ کر میری بہبود کا بیڑہ اٹھالے۔ یہ حال مترس از بلا کے کہ شب در میان است۔ محمود نظامی یہاں سے گذرے۔ دو شاہیں ان کی صحبت میں بسر ہوئیں۔ زندہ دل انسان ہیں۔ "اس بازار" میں کانسٹم بلا بعض مقامات اس میں نہایت دل چسپ ہیں۔ بعض خطیبانہ ہیں۔ دونوں کا لطفت اپنی اپنی جگہ آیا۔ بعض لطیف اس میں تادالتہ وارد ہوئے ہیں۔ مثلاً صفحہ ۱۱ بعض حاشیہ نشیں جنہیں سرے گوشت کی چاٹ پڑ چکی ہے" جو معنی فوراً ذہن میں آئے وہ اسفل کی طرف راجع تھے۔ لیکن دوبارہ غور کیا تو اصل معنی روشن ہوئے۔ آخری باب میں جو پنجابی گیت شامل کئے ہیں۔ ان میں سے بعض کئی روز دماغ میں گونجتے رہیں گے۔

میری لگدی کسے نہ دیکھی تے ٹھڈی نوں جگ جاتا

اگ بال کے دہو پتیں دے تیج رداں

ماجھے دیے بند بوتلے

تیرے لونگ دا پیا لشکارا۔ تے ہایاں تیرے ہل ڈک لکے۔

کتنا نشہ ان بے ساختہ جملوں میں بتد ہے۔ تیج کے معنی مجھے

نہ آتے تھے۔ معلوم ہوا۔ "آڑ" کے مترادف ہے۔ چلئے یہ بھی
 معلومات میں اضافہ ہوا۔ اس خط کی رسید فوراً بھیج دیجئے گا۔
 اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ اب پاکستان میں ہر طرح امن و امان
 ہے۔ خدایم سب کا نگہبان ہو۔

خاکسار

بخاری

۱۷

برادر محترم!

سلام مسنون! اس ڈاک میں دو خط ملے۔ ایک آپ کا۔
 ایک والد کا۔ دونوں کے جذبات ایک سے تھے۔ گو مضمون
 مختلف تھے۔ دونوں کا اثر طبیعت پر ایک سا ہوا۔ فی الحال انفلوینزا
 میں مبتلا ہوں۔ تیز بخار ہے اور ڈاکٹر کے مفصل معائنے کے بعد معلوم ہوا۔ کہ
 اس جسم فانی میں کئی اور نقائص پیدا ہو چکے ہیں۔ جن کا مجھے گمان بھی
 نہ ہو سکتا تھا۔ قلب کی حرکت، خون کا دیاؤ۔ جگہ و معدے
 کی حالت ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔ بہر حال اب یہ توقع تو
 ہمیں بھی نہ تھی۔ کہ زندگی ابدی ہے۔ نہ اس بات سے لاعلم تھے۔
 کہ جوانی آنی جانی چیز ہے۔ افسوس صرف اس بات کا ہے کہ کشاکش
 نظم پنہاں نے وقت سے پہلے بے کار کر دیا۔ بہر حال بقول ایلا وہیلر
 دلکا کس کی اس نظم کے جس کا ترجمہ آپ کسی زمانے میں مشاعروں میں
 نورو شور کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ رونا بہتائی پسند ہے۔ اس لئے

اب کیا آپ کی سمیع خراشی کروں۔ بہتری کر چکا ہوں۔

آدم برسرِ مطلب۔ حالات ادھی ہیں۔ جو آپ نے بیان کیے ہیں۔ پالاں اور طوقِ زرین کے متعلق آپ نے جو نظریہ بیان کیا ہے۔ وہ بھی حرفِ بحرف صحیح ہے۔ میری صرف اتنی درخواست تھی۔ کہ آپ کو میرے اخلاص یا مستعدی پر بھی شبہ نہ ہونا چاہیے۔ میرے خط کا مطلب اس سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ کہ آغند لیب مل کر کریں آہ و زاریاں۔ مجھ سے جو کچھ بن پڑا۔ جب بن پڑا۔ میں دریغ نہ رکھوں گا۔ اس میں کوتاہی ہو تو اپنی ردِ سیاہی سمجھوں گا۔ کہنا صرف یہ تھا کہ میرے ہاتھ پاؤں اس وقت بیری طرح بندھے ہوئے ہیں۔ اس لئے میری بے بسی کو میری کامی محرومی سمجھئے۔ اس بے اعتنائی پر معمول نہ کیجئے۔ فی الحال اتنا کیجئے۔ کہ لاہور میں جو صاحب اختیار ہیں۔ ان سے کسی وقت ملئے۔ امتیاز کی معیت میں ملنا ہو تو اور بھی بہتر ہوگا۔ دو ایک دن میں انہیں بھی پیغام بھیجوں گا۔ اور جو ترکیب میرے ذہن میں آئی۔ وہ انہیں سمجھاؤں گا۔ ملتے وقت میرا نام بھی لے دیجئے اور کہئے کہ میں اس کے ایما سے مل رہا ہوں۔ برا اور محترم ان کشمکشوں میں کئی عمر کے اور مرحلے پیش آتے ہیں۔ لا محالہ مسلسل کوشش اور صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ رہتا۔ قسمت یا اور ہو تو کامرانی جلد نصیب ہو جاتی ہے۔ ورنہ بعض اوقات شکب آریا صبر کا سامنا کرتا پڑتا ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں۔ جو آپ کہیں اور میں سنتوں۔ برعکس اس کے میں آپ کو نصیحت کر رہا ہوں۔ میں مجبور بلکہ معذور نہ ہوتا۔ تو آپ کو

اس معاملے میں ذرا بھی تشویش نہ ہوئے دیتا۔ لیکن کیا
کروں

نہ کیونکر حرم من نہ بدست جام جم من
کہ نہ یام من بلند سے نہ کند من دروازے

مجھے اس خط کا جواب ضرور دیجئے۔ خواہ جواب پریشانی کے
سوا کچھ نہ ہو۔ کم از کم اپنی پریشانی میں مجھے ضرور شریک کر لیا
کیجئے۔

آپ کی محبت، شفقت، علوِ قدرت کی بدولت بسا اوقات
مجھے تقویت نصیب ہوئی ہے۔ جب آپ پریشان ہوں۔ تو یہ گوارا
نہیں کہ مجھے اس پریشانی کا حصہ نہ ملے۔ میرا اختیار ہوتا۔ تو میں آپ
کے پاس اس کا عشرِ عشر بھی نہ رہنے دیتا۔

میرا وہاں کا معاملہ فی الحال از حد نازک اور بہت مخدش
مرحلے میں سے گزر رہا ہے۔ کبھی فرصت ہو تو من موہن سے مل
لیجئے۔ شاید وہ آپ کے مشورے یا مدد کے محتاج ہوں۔
مجھ میں ایسا اتنی ہمت نہیں کہ سعی کر سکوں۔ صوفیا کا توکل بزدل اور
کمزور ہی سہی۔ لیکن کمزور کے پاس اس کے سوا اور مسلک بھی کیا ہے۔
آپ کی بھائی سلام کہتی ہیں۔ آپ کو بھی اور گھر کے لوگوں کو بھی۔

خاکسار

بخاری

۱۳۔ تعلق روڈ نئی دہلی۔

۱۹ دسمبر

برادر محترم!

سلام مسنون! فی الحال یوز انجینیاں غیر انگریزی اخبارات کو بھی
خبریں انگریزی ہی میں بھیجتی ہیں۔ اور اخبارات خواہ اپنے مترجموں سے ان
کا ترجمہ کرا کر چھاپتے ہیں۔ اس سسٹم کے نقائص یہ ہیں۔

۱۔ یوز انجینیاں کو خبریں جمع کرتے کے لئے لامحالہ ایسے کار سپانڈنٹ
رکھنے پڑتے ہیں۔ جو انگریزی سے کما حقہ واقف ہو۔ محض ویسی زبانیں
جانتے والے کار سپانڈنٹ خواہ انہیں اپنی زبان میں کتنی ہی مہارت
حاصل ہو کار سپانڈنٹ نہیں بن سکتے۔

۲۔ تمام واقعات کی خبریں انگریزی ہی میں جمع کی جاتی ہیں۔ حالانکہ
مفصلات میں کئی ایسے دلچسپ واقعات پیش آتے ہیں۔

جو ویسی زبانوں میں ہی بخوبی ادا ہو سکتے ہیں۔

۳۔ ہر غیر انگریزی اخبار کو ایک دو تین مترجم رکھنے پڑتے ہیں۔

بصاعت کم ہو تو مترجم تھوڑے اور کم سواد ہوتے ہیں۔ اور

خبروں کی ہیئت ناقص ہوتی ہے۔ علاوہ یہاں ترجمے میں

وقت صرف ہوتا ہے۔

ان نقائص کو رفع کرنے کے لئے نیز ویسی زبانوں کی عزت افزائی

کے پیش نظر کیا یہ نہ بہتر ہوگا کہ یوز انجینیاں اپنے کار سپانڈنٹوں

سے خبریں ویسی زبانوں ہی میں منگوائیں۔ اور انہی زبانوں میں اخبارات

کو بھیج دیں۔ یعنی ایسوسی ایٹڈ پریس کا نامہ نگار جھنگ (مثلاً) اپنے

ہیڈ آفس کو خبر اردو میں بھیجے۔ اور نیوز ایجنسی کا ہیڈ آفس آپ تک وہ خبر اردو ہی میں پہنچا دے۔ جو آپ بعینہ پا انتخاب و اختصار کے بعد بغیر مترجم کی ضرورت پیش آنے کے اخبار میں چھاپ سکیں۔

اب اگر آپ کو اس میں کوئی فائدہ یا سہولت نظر آتی ہے۔ تو پھر دوسرا سوال یہ ہو گا کہ ایسی خبریں ٹیلی پرنٹر پر کیوں بھیجی جائیں گی۔ اس کا جواب سوائے رومن رسم الخط کے اور کچھ نہیں۔ رومن حروف اور ویسی زبانوں کے حروف کی آپس میں پوری پوری تطبیق ممکن نہیں۔ لیکن شاید اس کی ضرورت بھی نہیں۔ ویسی زبانیں اچھی خاصی آسانی کے ساتھ رومن حروف میں منتقل کی جاسکتی ہیں۔ شاید کہیں کہیں ابہام رہ جائے۔ لیکن سیاق و سباق اکثر ابہام کے رفع کرنے میں مدد دے گا۔ جہاں اس سے بھی کام نہ چلے۔ شاید وقت ہو۔ لیکن ابہامات کا خطرہ تو موجودہ سسٹم میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ بعض تراجم اصل سے بہت دور جا پڑتے ہیں۔

اس مسئلے پر اپنی رائے سے مستفید فرمائیے اور اگر ہو سکے تو یہ بھی فرمائیے کہ عام طور پر دوسرے ویسی اخبار کس حد تک اس بدعت یا جدت کا خیر مقدم کریں گے۔ ممکن ہے یہ مسئلہ پہلے بھی آپ کے زیر غور رہ چکا ہو۔ اور آپ اس کے ٹیب و فراز پر دماغ سوزی کر چکے ہوں۔ مجھے اس میں ترقی کے بہت سے امکانات نظر آئے۔ اس لئے آپ کی طرف رجوع کیا۔ کہ آپ کی رائے

دریافت کر لوں۔ جواب کا منتظر

بندہ خاکسار
بخاری

۱۹

برادر محترم!

سلام مسنون!

گرامی نامہ کا شکریہ! میاں صاحب کی معاملہ فہمی اور آپ کی معاملہ فہمی کی بدولت خاطر خواہ فیصلہ ہو گیا۔ کل محکمہ کے نام چٹرجی کا خط پہنچا کہ پرنسپل کا عہدہ یکم مارچ سے خالی ہوگا۔ لہذا مجھے بروقت سبکدوش کر دیا جائے گا چٹرجی کے ایک نجی خط اور میاں صاحب کے ٹیلی فون سے معلوم ہوا کہ ڈکنس یکم مارچ سے رخصت لے گا۔

اپنا ارادہ اب یہ ہے کہ تنوری، قردی کی چھٹی لے لوں۔ پھر حال دسمبر کے آخر تک قطعی طور پر اس عہدے سے فارغ ہو جاؤں گا۔

آپ کی تگ و دو کا شکریہ دوست وہ ہے جو کہ اس مصرع کے مطابق پکڑنے کے جو معنی نکلتے ہیں۔ ان کے مطابق پکڑنے کے کیا معنی ہوں؟ اور پکڑ دھکڑ، کس کو کہتے ہیں۔ ایک نسخہ مثلاً یہ ہے کہ دوست وہ ہے جو کہ دھکڑے دوست کو۔

لطیفہ:- انگریزی روزمرہ میں رخصت کے وقت ٹا۔ ٹا کہتے ہیں۔ جس کے معنی گڈ بائی کے ہیں۔ یار لوگوں نے تجویز کیا

ہے کہ چونکہ دہلی کے ارباب اقتدار پر آج کل کے سرمایہ دار
 چھائے ہوئے ہیں۔ اس لئے دہلی میں جس طرح سلام و علیکم
 کے جواب میں وعلیکم السلام کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ٹائیٹا کے
 جواب میں اسی لہجے میں برلا۔ ڈالمیا بولا جائے۔ جو لوگ
 دیندار ہندو ہیں اور بے رام جی وغیرہ کہتے ہیں۔ انہیں چاہیے۔
 اب سری رام (یعنی سر شری رام مالک دہلی کلا تھ ملز) کہا کریں غصے
 کے اظہار کے لئے موزوں ترین لفظ "گاندھو" ہے اور اسے
 "قومی" گالی بنالینا چاہیے۔ جا بے گاندھو۔

نومبر کے تیسرے ہفتے میں لاہور درے پر آنے کا ارادہ ہے۔
 ملاقات ضرور ہوگی۔ سنا ہے امتیاز لاہور واپس آ گیا ہے۔ نہ خط
 لکھتا ہے نہ ملتا ہے۔ دہلی سے شمال جنوب کو گزر جاتا ہے۔ اور
 ہم سے نہیں ملتا۔ جیسے عصمت بچا کے پھرتا ہو۔ ملے
 تو ڈالتیے گا۔

خاکسار
 بخاری

۲۰

برادر محترم!

سلام مسنون!

گرامی نامہ ملا آپ نے جو زحمت اٹھائی۔ اس کے
 لئے آپ کا ممنون ہوں۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ مجھے میاں صاحب

کے دہلی آنے کا علم نہ تھا۔ کل (یا ممکن ہے آج ہی) چٹرجی کے
یہاں ملاقات ہوگی۔ وہ اور میاں صاحب دونوں کا سفر دہلی
ایک دوسرے سے غیر متعلق ہو۔ بہر حال میں میاں صاحب سے
بھی مل لوں گا۔ اور آپ کو جملہ کوالفٹ سے مطلع رکھوں گا۔

زبیدہ نے آپ کا خط پڑھا۔ آبدیدہ ہو کر آپ کے بچوں کو
دعائیں دیں۔ کہنے لگیں۔ سالک صاحب نے اس خط میں ہماری
واپسی پر ذرا کبھی اظہارِ خوشنودی نہیں کیا۔ میں نے کہا میرا خط بالکل کاروباری
تھا۔ اس کا دیا ہی جواب ضرور کی تھا۔ باقی صاحب دوستاں درد ل۔
بہر حال عرض نہیں کر سکتا کہ لاہور دایس آتے کے خیال سے زندگی میں
ابھی سے کتنی تازگی پیدا ہو گئی ہے۔ جانتا ہوں۔ کہ دس
سال کا عرصہ اپنی طبیعت میں اور حالات میں کئی ایسی تبدیلیاں
پیدا کر سکتا ہے۔ جس سے وہ پہلے کا سا نقشہ نہ جم سکے۔
یا اس ہمہ کئی مرتبہ اور کئی موقعوں پر دل کو ٹٹول کر دیکھ لیا ہے۔
اور سب نشیب و فراز دیکھنے، کئی تلخیاں چکھنے۔ اور کئی غلطیاں
کرتے کے بعد بار بار اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ

دریں زمانہ رقصے کہ خالی از خلل است

صراحی مے تاپ و سفینہ منزل است

لاہور میں جو دوست تھے۔ وہ سب اپنے محور پر قائم ہیں۔

جنگل لاہور میں نہ جانتے کب تک ہے۔ اقیانوس کی یکسوئی کی کئی
داستانیں سنتا ہوں۔ لیکن ایک سالک ہے جس کا حسن کلاو پترا کی
طرح بقول شکسپر کے مرور زمانہ سے اثر پذیر نہیں ہوتا۔ میرے لئے

لاہور اگر کسی شخص کا نام ہے تو وہ آپ ہیں۔ یہ سوچ کر کے ایک
 بار پھر آپ کی طویل صحبتیں نصیب ہوں گی۔ اور فراغت بے خلل ہوگی۔
 طبیعت میں ایک ہیجان سا پیدا ہوتا ہے۔ بہت تھک گیا ہوں۔
 دس سال میں کوئی چھٹی نصیب نہ ہوئی۔ آپ ہوں گے۔ ہاشمی ہوں گے۔
 بے خودی و خرمی بے خلل ہوگی۔ اور اگر خرمی بے خلل
 اس دنیا میں کسی کو نصیب نہیں۔ تو بہر حال اس کے قریب ترین کیفیت
 جو نصیب ہو سکتی ہے۔ وہ مجھے لاہور ہی میں ہوگی۔
 جذباتی سی باتیں ہیں۔ لیکن محض اضطرابی نہیں۔ ان باتوں پر میں
 نے بہت کچھ دماغ سوزی کی ہے۔ کوئی اور بات علم میں آئے
 تو مجھے مطلع رکھئے گا۔

خاکسار
 بخاری

۲۱

۱۳۔ تعلق روڈ نئی دہلی

۱۰ جنوری

برادر محترم!

سلام مسنون! کل ایک خط آپ کو لکھا تھا۔ اس خط کو
 اس کا ضمیمہ سمجھ لیجئے۔ رات میرے ہاں یارانِ طریقت کھانے پر
 جمع تھے۔ تاثیر اور ذوالفقار بھی ہمیں ہیں۔ ان کے علاوہ آغا حمید،
 حفیظ، فیض، راشد، حسرت، عباس، مجید ملک سب موجود تھے۔

میں نے سب کو ایک طرح کا مصرعہ دے رکھا ہے۔

گماں اور ہی تھا مجھے بدگماں پر

شرط یہ تھی کہ ہر ایک چند شعرا اس طرح پر ضرور لکھ کر لائے۔

چنانچہ سب نے حتیٰ کہ میں نے اور آغا حمید نے بھی طبع آزمائی کی۔

جب اس طرح شیاطین جمع ہوئے۔ غزل بھی کہی گئی۔ ہزل بھی

لکھا گیا۔ اور دو لوں اہتاف میں خوب خوب شعر ہوئے۔ اسی

طرح مشاعرے کے پورے پورے شاعری کی طرف رجوع ہوئے۔ ذوالفقار

تائیر، حفیظ اور قیص نے اپنا تازہ کلام سنایا۔ پھر خوش گپیاں

ہوئیں۔ رات کے ڈھائی بجے مجمع پر خاست ہوا۔ اور میں دُور دُور سے

والوں کو موٹر پر گھر پہنچا کر خود سوا چار بجے گھر پہنچا۔

ممکن نہ تھا کہ یہ سب لوگ جمع ہوں اور آپ کا ذکر ایک

مرتبہ نہیں ہزار بار نہ ہوا ہو۔ حیب یہ خبر سنی کہ آپ ہر جنوری

کے لگ بھگ آ رہے ہیں۔ تو مصر ہوئے کہ آپ کے آنے پر پھر

ایک ایسا مجمع اور ایک ایسا مشاعرہ ہو طرح تجویز ہوئی کہ

”وہ کون سی زمین ہے جہاں آسماں نہیں۔“ (قافیہ جہاں، آسماں)

اور مجھ سے کہا گیا کہ سالک صاحب کو مطلع کر دوں۔ کہ وہ اس طرح پر

غزل ہزل دونوں لکھ کر لائیں۔ اور قیام کی تاریخیں بتائیں۔ تاکہ باقاعدہ

پر دو گرام بنایا جائے۔ آپ کے آنے تک تاثر یہاں ہوں گے۔

ذوالفقار لاہور اور بعد آزاں بھی چارہے ہیں۔ لیکن

ممکن ہے کہ اس وقت تک لوٹ آئیں۔

طرح پر آپ کو طبع آزمائی ضرور کرنی ہوگی۔ ورنہ سب

کو مایوسی ہوگی۔ اور ہنر کو نظر انداز کیجئے۔ ورنہ مایوسی کے علاوہ
 صدمہ ہوگا۔ آپ کو فرصت ممکن ہے۔ کم ہو۔ لیکن یہاں
 بھی ایک تاثیر کو چھوڑ کر باقی سب عدیم القریٰ صحت ہیں۔ آپ ہی
 میں کسرا کا پیر لگا ہے۔

اور آنے اور پھرنے کی تاریخیں ضرور بتائیے۔ ایک آدھ دن
 کا قیام ہمیں پسند نہیں۔ ایک آدھ دن کو آتا ہو۔ تو آئے کی زحمت
 گوارا نہ فرمائیے۔ وہیں سے اپنی ٹاک کار بیکارڈ بھروا کر بھجوا دیجئے۔
 ہمیں یہ از حد ناگوار گذرے گا کہ آپ آئیں بھی تو اس طرح کہ گھڑی
 دو گھڑی کو مل کر بیٹھنا بھی نصیب نہ ہو۔ دن بھر سب لوگ
 معاش کے ٹمھوں میں گرفتار رہتے ہیں۔ جب تک
 ایک دو تین شامیں بیتر نہ ہوں۔ ہم تشنہ کاموں کی کیا تسلی
 ہوگی۔ یاد رکھیے کہ آپ کے قیام کی آخری شام محض بے کار ہوگی۔
 کیونکہ نوبت کے قریب گاڑی جاتی ہے۔ مکان اسٹیشن سے نو
 میل ہے۔ آٹھ بجے تو آپ روانہ ہو ہی جائیں گے۔ چنانچہ آخری شام
 کو ہمارے حاب میں شمار نہ کیجئے۔

خاکسار
 بخاری

سلام مسنون! گرامی نامہ ملا۔ معاملہ کے متعلق روک تھام کی
 مسامی ابھی تک جاری ہیں۔ اور اس میں بہت کچھ دوڑ دھوپ
 ہو رہی ہے۔ اگر ہمارے بزرگوں نے ذرا ہٹ سے کام لیا اور
 عزم جزم کا اظہار کیا تو ممکن ہے بلا کسی حد تک ٹل جائے۔ کیوں کہ
 یہاں تو مقابلہ ہٹ کا ہٹ سے ہے۔ ابھی تک کئی فیصلہ نہیں ہوا۔
 دونوں طرف سے کچھ ضد کچھ اخلاق کا اظہار ہو رہا ہے۔ خدا کرے
 اخلاق محض ہماری طرف سے اور ضد محض ان کی طرف سے نہ
 ہو۔ اس میں کچھ شبہ کی گنجائشیں ہیں۔ اس لئے ابھی مطلع صاف
 نہیں ہوا۔ اور نتیجے کے متعلق اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ یہی وجہ
 ہے کہ کچھ تاخیر ہو رہی ہے۔ لیکن بہر حال اپنی تیاری مکمل کر رکھتی
 چاہیے۔ مجھے نتیجے کے متعلق کچھ ایسا حسن ظن نہیں۔ یہاں
 پایائے اردو سے بھی چند در چند مشورے ہوئے ہیں۔ اگر
 خدا نخواستہ معاملہ حسب منشا غلطے نہ ہوا۔ تو وہ علاوہ یہاں کام کرنے
 کے فوراً لاہور بھی آجائیں گے۔ اور اہل صحافت کو مالہ و ما علیہ سے
 آگاہ کریں گے۔ اور لاکھ محل کے متعلق مشورہ دیں گے۔ اس پر ان
 کو تیار کر لیا گیا ہے۔

میرے بھائی ران میں عرصے سے ایک ماسٹکلا ہوا تھا۔ بڑھتے
 بڑھتے پون اچھ کے قریب ہو گیا۔ اور اس کی بیخ بھی کوئی پون اچھ کے
 برابر ہو گئی۔ مدت سے ارادہ تھا کہ اسے کٹوا ڈالوں۔ "گتھان"
 ہونے کی وجہ سے تکلیف دینے لگا تھا۔ مصر و فیتوں نے مہلت
 نہ دی۔ اب رخصت لی ہے۔ تو یہ خورشہ بھی پاک ہو گیا۔ کالٹنے کے

بعد دو تین ٹانگے لگانے پڑے۔ اس لئے نرسنگ ہوم میں چلا گیا۔ وہاں پانچ چھ دن ڈریسنگ گاؤن میں فرصت اور یکسوئی نصیب ہوئی۔ پھر واپس آگیا۔ کوئی تشویش کی بات نہیں جو مضفہ گوشت کھاتا۔ اس کا معائنہ کر رہا ہوں۔ شبہ ہے کہ سرطان نہ ہو۔ ڈاکٹر اس شبہ پر منتہی ہیں۔ لیکن دودھ کا جلا ہوں۔ اس لئے احتیاط کرتا ہوں۔ صحت اچھی ہے۔ رخصت کے ایام میں برسوں سے جو کام معرمن تفویق پڑے ہوئے تھے۔ ان کو بیٹانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اب احساس ہوتا ہے کہ اس دس گیارہ سال میں اپنی ذاتی مفاد اور ہیود سے کس قدر غفلت برتی ہے۔ ساتھ ساتھ مطالعہ کا شوق بھی امانڈ کر آیا ہے۔ تاریخ اسلامیہ کے بارے میں میرے مطالعہ میں کئی رخصتے ہیں۔ ان کو بھرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ادھر ہسپانیہ کی تاریخ پڑھ چکا ہوں۔ ادھر عیاسیوں کے آخر تک پہنچ چکا ہوں۔ شعر العمم کے بھی پانچوں حصے پڑھ ڈالے۔ فسانہ آزاد کا خلاصہ کر رہا ہوں۔ تاکہ ایک کہانی میں سما جائے۔ اور اس کی لذت وہی رہے۔ دوستوں کی صحبت سے پھر روح دوراں کو سیراب کرنے کے لئے بے قرار ہوں۔ اور دن گین رہا ہوں۔

خاکسار

بخاری

برادر محترم!

سلام مسنون! میرے تقرر کی میعاد پانچ سال تھی۔ جو
 اپریل ۱۹۳۶ء کو ختم ہوگی۔ دائرہ سرائے کے مشورے سے فیصلہ ہوا
 ہے کہ مجھے مزید پانچ سال کے لئے رکھا جائے۔ اب پنجاب گورنمنٹ
 سے پوچھا جائے گا۔ ایک آدھ ہفتہ کے اندر یہاں سے خط روانہ
 ہوگا۔ ٹھیک کس تاریخ کو اور مکتوب الیہ کون ہوگا۔ یہ ابھی مجھے
 معلوم نہیں۔ جب معلوم ہو تو آپ کو مزید اطلاع دوں گا۔ بہر حال ممکن
 ہے۔ مجھے کوئی علم نہ ہو۔ اور خط روانہ ہو جائے پنجاب کے ارباب
 حل و عقد کا سہما لیا آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ گویا یقین نہیں۔
 وہ معترض ہوں۔ میرے وائس آفیس سے کئی اصحاب کو ترقی معلوم
 ملے گی۔ اس لئے افسروں میں سے کون ایسا ہوگا۔ جو مجھے دُور نہ
 رکھتا چاہے۔

دو ایک نقطے قابل غور ہیں۔ اول تو یہ کہ میرے جیسے افسر کے
 معاملے میں میعاد کا مقرر کرنا محض ایک اخلاقی اور سماجی بات ہوتی
 ہے۔ میں کنٹریکٹ آفیسر نہیں۔ مستقل سرکاری ملازم ہوں۔ نہ میں
 آئی۔ سی۔ ایس وغیرہ کارکن ہوں۔ جن کا صوبوں سے مرکز اور
 مرکز سے منتقل ہونا خاص قواعد و ضوابط سے منضبط کر دیا گیا ہے۔
 میں خواہ پانچ سال صوبوں سے باہر کام کر دوں خواہ دس سال کے
 لئے بہر حال اودہر وقت پوزیشن یہی رہتی ہے کہ میرا $LiEN$ قائم رہتا
 ہے۔ یعنی مرکز صوبہ اودہ میں خود۔ ہم تینوں میں جو جس وقت چاہے
 میرا واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اس کو دیکھنا نہیں کیا جا سکتا۔

لہذا تقرر کی معیاد کا معین کرنا دراصل کچھ معنی نہیں رکھتا۔ بجز اس کے کہ اس سے سب متعلقہ لوگوں کے ذہن میں ایک اندازہ سارہتا ہے۔ علاوہ ازیں پنجاب میں میرا *LIENSUSPENDED* ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ میری عدم موجودگی کی وجہ سے میری آسامی پر حکومت پنجاب کو کسی اور شخص کے مستقل کرنے میں کوئی امر مانع نہیں۔ کتنے پانچ سال کا مزید آفر حکومت پنجاب سے پوچھنے کے بعد کیا جائے گا۔

آپ اس معاملے میں کس طرح جنبانی کریں گے۔ یہ آپ پر حصور تاتا ہوں۔ وہ نہ ہو کہ آپ کی کسی سعی سے لوگ یہ اندازہ لگائیں کہ کوئی بہت اہم بات ہے۔ جس پر کھینچا تائی کا امکان ہے۔ حالانکہ دراصل یہ صورت نہیں۔ اگر یہ سبیل تذکرہ یہ بات ہو جائے اور کوئی اس پر دو ہفتوں کے دوران میں نگاہ رکھے۔ تو مفید ہوگا۔

میں آج *P. E. N* کا فرنس میں شامل ہوتے کے لئے جے پور

جا رہا ہوں وہاں *"THE URDU WRITER OF OUR TIMES"* پر ایک سپر بڑھ رہا ہوں۔ دو تین دن ہوئے بمبئی سے واپس آیا ہوں۔ وہاں امتیاز حجاب سے ملاقات ہوئی تھی۔ امتیاز کو سوائے قلم کے اور کسی چیز کا شوق معلوم ہوتا ہے۔ نہیں رہا اس سے کچھ رنج ہوا۔ وہاں یہ خیال آیا کہ آپ کو کبھی محض سیر و آرام کی غرض سے بمبئی جانا چاہیے۔ وہاں آج کل ذوالفقار ہیں۔ آپ کا قیام یقیناً ان کے پاس ہوگا مرنے سے پہلے ایک دفعہ سمندر کو دیکھ لینا چاہیے۔ گو آپ ابھی دو دو سال زندہ رہیں گے۔ تاہم۔

خاکسار
بخاری

۲۴

۲ جولائی

برادر محترم!

سلام مسنون!

گرامی نامہ ملا۔ میں بمبئی میں تھا۔ آپ کا خط دہلی میں میرا
انتظار کرتا رہا۔ اس لئے جواب میں تاخیر ہوئی۔

انتخاب افکار و حوادث کے باب میں مجرم و نادم ہوں۔ کچھ
کسالت، کچھ مصروفیت اور پریشانی علاوہ براں میں تے یہ کام توقع
سے زیادہ محنت طلب اور دقت طلب پایا۔ آپ کی برہمی اور
بے قراری کا حق بجانب۔ ۲۵ جولائی کی صبح کو لاہور آ رہا ہوں۔ تین چار
دن ٹھہروں گا۔ تمام قائل بعد از تکمیل کار ساتھ لیتا آؤں گا۔ یہ وعدہ
بھی وفا نہ ہوا۔ تو آپ مجھے حلقہ و حلقہ بگوشاں سے خارج
تو کیا کریں گے۔ کچھ اور ڈانٹ لیں گے۔ وہ میرے سر آنکھوں پر۔
کام تو یہ مجھے ہی کرتا ہے۔ اور ضرور کروں گا۔ لیکن مذاق پر طرف
اس مہینے میں یہ کام ضرور ختم ہو جائے گا۔ وما توفیق الا باللہ۔

دو بکریاں جو آپ نے پال رکھی ہیں۔ ان کے حالات سے بھی آگاہی
ہوئی۔ میں انشاء اللہ ہر طرح سے خیال رکھوں گا۔

اب صاحب اپنے بارے میں غیر شعوری طور پر مبالغہ کرتے

ہیں۔ جب عہدہ ہی عارضی ہے۔ تو جو اس عہدے پر مقرر ہے۔ وہ کیوں کر مستقل ہو سکتا ہے۔ اور عہدہ عارضی یوں ہے کہ ابھی اس کام کے مستقبل کا فیصلہ نہیں ہوا۔ ممکن ہے یہ کام نہ رہے۔ اب ہی قسم کے اہل علم کی ضرورت ہو۔ یا کسی اور قسم کے آدمی کے ذمے یہ کام سپرد کیا جائے۔ یہ تمام معاملے فیصلے کے محتاج ہیں اور اس فیصلے میں ابھی کچھ عرصہ لگے گا۔ اس دوران میں اب صاحب کا کام اکثر کمزور پایا گیا۔ اس میں کسی کی شرارت مضمحل نہیں۔ کیونکہ ان کوتاہیوں کا علم براہ راست مجھ کو ہے۔ تاہم ان کو ہم گھسیٹے چلے جاتے ہیں۔ اب یہ استدلال ان کا عجیب و غریب ہے کہ چونکہ مجھے برخواست نہیں کیا۔ اس لئے میں مستقل ہونے کا تقدر ہوں۔ اگر چہ وہی دی ہے تو دو ہونی چاہئیں۔ بادہ خواہ مخواہ آید اطلبی کرتے ہیں۔ اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتا تو سیکھتے ہی نہیں۔ شفا ریش اور دستگیری کے عادی ہو چکے ہیں۔ دوسروں کو ظالم اور بے انصاف اور اپنے آپ کو مظلوم اور ہمدردی کا مستحق سمجھتے رہتے ہیں۔ لہذا اکثر ان کی بصیرت کام نہیں دیتی۔ کبھی خدا کا شکر نہیں کرتے۔ بلکہ اکثر شاکی ہی رہتے ہیں۔ ایسے شخص کا مطمئن کرنا یا ان میں ہمت پیدا کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ ایسا شخص ہر وقت مدد کا طالب ہوتا ہے۔ اور جب تک زندگی ان کے لئے وقف نہ کی جائے وہ خوش نہیں ہوتا۔

باقی عند الملاقات۔ کیا آپ کو دہلی بلایا جائے؟ ہے موقع؟

خاکسار

بخاری

برادر محترم!
سلام مستنون!

استاذی۔ پہلے غزل کا قصہ طے کر لیں۔

۱۔ ابھی قائم ہے محفل عاشقان محفل آرا کی

کہ ان کی خاتماں بر بادیاں رونق ہیں صحرا کی

آپ محفل آرا کو دشتِ پیما گردینا چاہتے ہیں میرا مطلب

یہ تھا کہ وہ عاشق جو محفلوں کی زینت تھے۔ اب بر باد ہو چکے۔ لیکن محفل

آرا کی ان کی فطرت میں ہے۔ اس لئے باوجود خاتماں بر باد کے وہ

محفل آرا ہیں۔ اور وہ یوں کہ بر باد ہوئے تو صحرا کی رونق بن بیٹھے۔

دشتِ پیما سے معنی بدل جائیں گے۔ لیکن آپ کو اس تبدیلی کی ضرورت

پیش آئی تو یقیناً معنی الجھے ہوئے ہوں گے۔ المعنی فی بطن الشاعر

سے بہتر ہے کہ معنی صاف ہو جائیں۔ لہذا دستِ پیما منظور گو اس

سے شعر کا مطلب وہ نہ رہے گا۔

۲۔ چشم گل کی تمنا کی

آپ فرماتے ہیں یہ شعر و جناحت طلب ہے۔ لیکن معلوم

ہوتا ہے اصلاح طلب نہیں۔ لہذا منظور۔

۳۔ کھلے موتیا۔۔۔۔۔ منظور

۴۔ درے خانہ واسے چشم ساتی میں ہے بے باکی

میں نے کہا۔ درے خانہ واسے آنکھ میں ساتی کی بیباکی۔ آپ

فرماتے ہیں۔ ایک ہے کی کمی ہے۔ آپ کی اصلاح مجھے منظور ہے۔

گو میں اس بات کا ابھی قائل نہیں ہوا۔ کہ ایک دہے، کی کمی ہے۔ کئی فقرے یا محاورہ ایسے ذہن میں آتے ہیں۔ جہاں بالکل یہی شکل ہوتی ہے۔ اور صرف ایک ہی استعمال ہوتا ہے۔ بہر حال اصلاح منظور۔

مختصر یہ کہ کلی اتفاق اور بہتر بھی یہی ہے۔ وہ نہ ہو منزل ہی سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔ آپ کی اصلاح سے متفق نہ ہوں۔ جب بھی اتنا ضروری ہے کہ آپ کے اعتراض سے جیسا قوی شہ پید ا ہو جاتا ہے کہ اتفاق کے بغیر جارہ نہیں رہتا (اس کو حسن اتفاق کہتے ہیں)۔ بہر حال دماغ سوزی کا بہت شکریہ!

۳۰ جون سے (تاریخ یاد رہے) میں نمبر ۱۹ شوکارو ڈسٹی دہلی جا رہا ہوں۔ انگریزی میں اس کو ASOKA ROAD ۹ لکھتے ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ اور امتیاز چند دن کے لئے آجائیں۔ برسات جوین پر ہے۔

ادھیائی نماز بخشوانے گئے تھے۔۔۔۔۔ الخ من موہن کا معاملہ طے ہوتے ہوتے میرا معاملہ ایسا غائب ہوا کہ خبرش یاز نیامد۔ یہ تو کہنے کہ کیا مہر صاحب اور میاں صاحب کی گفتگو میرے مسئلے کے متعلق بھی ہوئی یا نہیں۔ اگر ہوئی تو کیا نتیجہ ہے۔ اس موضوع پر تو برسوں سے آپ نے کچھ لکھنا مہر نے۔

خاکسار

بخاری

۲۰ پر تھوی راج روڈ نئی دہلی۔

۲۰ اکتوبر

برادر محترم!

سلام مسنونہ! گورنمنٹ کو اس سال کے بجٹ میں کچھ خسارہ نظر آتا ہے۔ اس لئے خالی آسامیوں کی بھرتی ایک قلم رُک گئی ہے۔ اور معلوم نہیں کب تک رُک رہے گی۔ اس لئے ہر کام میں تاخیر لائی رہے۔ یہ جواب ہے آپ کے اس خط کا جو عرصہ ہوا آپ نے لکھا تھا اور جس کے جواب سے آپ مایوس ہو گئے ہوں گے۔

پچھلے دنوں ابوالکلام سے ہم کلامی کا فخر حاصل ہوا۔ بڑی بھینس گرم ہوئیں۔ آپ کا ذکر اور ذکر خیر بارہا آیا۔ اور مولانا ممتاز علی مرحوم کا ذکر بھی آیا۔ اور امتیاز کا ذکر بھی آیا۔ اور حمید علی صاحب کا ذکر بھی آیا (جو سٹائل بہ تتبع خواجہ حسن نظامی ہے) ایشائی علم و ادب و تاریخ پر زوروں کی بھینس ہوئیں۔ شعر خوانیاں ہوئیں۔ بدلہ سنبھلی ہوئی۔ علاوہ اقبال کی یاد تازہ ہو گئی۔ کیونکہ یحزرا اقبال اور ابوالکلام کے اور کوئی شخص ایسا نہ ملا۔ جو عالم اسلام اور اس کی نیرنگیوں اور رنگ آفرینیوں کا آئینہ دار ہو۔ یہ نسل ہی اب مٹی جاتی ہے۔ اس خط کو دیکھتے ہی رائے بہادر من موہن صاحب سے ملنے۔ اور ان سے پوچھئے کہ کوئی رکاؤٹ تو نہیں اگر ہوں تو اس کا مداوا کیجئے۔ تفصیلات انہیں سے معلوم ہوں گی۔ ضرورت ہو تو حمید علی صاحب کو بھی شامل کر لیجئے۔

ابا کے کرسمس میں پھر ایک چکر رہے۔ بشرہ ہاشمی
 غالباً والدہ پرستی کے سلسلے میں دہلی آئیں گے۔ ممکن ہے امتیاز
 بھی بحیثیت ڈیمنٹر کانفرنس کی ایک ڈیلیگیٹ کے شوہر کے
 آجائیں۔ آپ ڈیمنٹر کانفرنس کی ایک ڈیلیگیٹ کے شوہر کے
 دوست کی حیثیت سے آجائے۔
 زبیرہ سلام کہتی ہے۔

خاکسار

بخاری

بھی انقلاب بھیج کر فی الواقع بہت احسان کرتے ہو۔
 جس دن انقلاب نہ پہنچے۔ دل خالی معلوم ہوتا ہے۔ کل یہ
 عنوان نظر آیا ہے

لاہور میں گداگروں کی اکثریت۔

یہ اکثریت کی بھی ایک ہی کمی۔ مگر اس کے لئے سند موجود ہے۔

”اقلیت مال و اکثریت عیال“ مشہور فقرہ ہے۔

ابوالکلام نے شاد عظیم آبادی کا ایک شعر سنایا تھا۔ آپ بھی

سنیں۔ لیکھے خوب ہے۔

لبوں پر دم ہے ترپتے ہیں درد مند تیرے

وہ ادرا کوئی نہیں عاشقانِ چند تیرے

بخاری

۲۳ دسمبر

برادر محترم!

سلام مستون! یاد آوری کا شکریہ! خط کے مفہوم سے آگاہ ہوا۔ اور اس کو ذہن میں محفوظ کیا۔ کام کی کثرت اور تنوع کی وجہ سے اکثر فروعی فرائض ماتحتوں کے سپرد کر رکھے ہیں۔ اور جیسا کہ قاعدہ ہے۔ ان میں حتی الوسع دخل نہیں دیتا۔ تاآنکہ کوئی اہم نکتہ اس میں پوشیدہ نہ ہو۔ آپ نے جس امر کا ذکر کیا۔ وہ بھی اپنی فروعیات میں شامل ہے۔ تاہم اس سے غافل نہ رہوں گا۔ اگر فیصلہ حسب الخواہ نہ ہوا۔ تو مجھے دوبارہ تاکید کرنے میں تامل نہ کیجئے گا۔ کہ میرا منصب ہی موکد ہوتا ہے۔

ہمیشہ کے رشتے کے متعلق کچھ آپ نے سلسلہ جنیالی کی تھی پھر معلوم نہ ہوا کہ بات کہاں تک پہنچی۔ یا کہاں رُک گئی۔ ایک خط ایڈیٹر انقلاب کے نام ملفوف ہے۔ انہیں پہنچا دیجئے گا۔ تاکہ ان کو افکار و حوادث کے لئے مصالحہ مل جائے۔ یا کم از کم ان کی اپنی ضیافت کا باعث ہو۔

میں کل صبح پختہ پھر کے لئے لکھنؤ جا رہا ہوں۔ نہ معلوم اس میں کتنے دن ریل میں گزریں گے۔ لیکن سنتا ہوں کہ ریلیں اب چلنے لگی ہیں اور چلتی ہی کا نام گاڑی ہے۔ اجاب کو میرا سلام پہنچے۔ اور بالخصوص مہر صاحب، امتیاز صاحب اور حمید علی صاحب کو زبیرہ آپ کو اور بھابی کو سلام کہتی ہے۔

یہاں میرے پہلے جنم کے اہل قلم اور اجباب تو بہت جمع ہیں۔ لیکن
 دہلی شہر نہیں صحرا ہے۔ فاصلے بہت ہیں۔ کچھ جسمانی۔ کچھ روحانی۔
 پیڑوں بھی کم ہے۔ دل بھی خشک۔ دہلی کی آب و ہوا ہی ایسی ہے۔
 ہر شخص دفتری کش مکش اور ہوس رانی میں مبتلا۔ اردو مجلس
 کے اجیاجی کو کشش کر رہا ہوں۔ دیکھئے۔

بخاری۔

۲۸

ہوٹل ماریا کرٹینا میکسیکو

۲۱۔ جنوری

برادرم!

سلام مسنون با نوازش نامہ ملا۔ آپ کے سوا کسی اور دست
 کا خطاب تک نہیں آیا۔ صوفی، ہاشمی، فیض، تاثیر سب نے گویا مجھے
 دریا برد کر دیا۔ زبیرہ اور ہارون کے خط مسلسل آتے رہتے ہیں۔ ان سے
 بالواسطہ کچھ اجباب کا حال بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ اور گھر کے حالات
 سے تو باقاعدہ مطلع رہتا ہوں۔ ورنہ بالکل ہی رابن کسن کر دسو
 بن جاتا۔ سیاسی حالات سے باخبر نہیں۔ ریاض احمد کو کراچی
 سے خط آتے ہیں۔ ان سے دو چار اڑتی اڑتی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔
 ادبی دنیا کی کوئی خبر نہیں۔ نہ معلوم کون سے رسالے بند ہو گئے۔
 کون سے کھل گئے۔ کن پر کھل بندن کی کیفیت طاری ہے۔ کس کس
 شاعر نے غالب کے گورپرلات ماری۔ آپ نے انقلاب کا ایک ورق

بھیج کر میرے کم از کم چوبیس گھنٹے زنگین کر دیئے۔ سلور جو بی بی پر آپ کو بیت بہت مبارک ہو۔ لاہور میں ہوتا تو دوستوں کے اجتماع کا ایک اور سہانہ ہاتھ آجاتا اور سب شاعر دوستوں سے ہنر لکھواتا۔ اور شب دیگ پکتی، خیر، گرچہ دوریم بیاد تو قدح می تو شیم۔ انقلاب کے مدوجزر کا حال پڑھ کر میں کچھ منموم ہو گیا۔ عمر بھر کی بدلہ سنی، بدلہ گوئی اور جہکتی ہوئی صحافت کے بعد آپ کو یہ سخت مرحلے پیش نہ آنے چاہئیں تھے۔ لیکن آپ نے اجیار کا نام ہی معلوم ہوتا ہے۔ لسان الغیب کے کہنے پر رکھا ہے۔ بہر حال آپ طبعاً قلندر ہیں۔ قلندری کو کام میں لائے۔

کانفرنس کہنے کو تو انجیتر بازی تھی۔ لیکن آتے کے ساتھ ہی معلوم ہو گیا۔ کہ ریڈیو بھی سیاسی کھینچ تان کا اکھاڑہ ہے۔ چھوٹی لہریں بجز دور مار اسلحے کے اور کچھ نہیں۔ دو مہینے تک کانفرنس کا تکیہ کلام یہ تھا کہ اصول وضع ہونے چاہئیں۔ چھوٹی لہروں کی کل تعداد (۱۸۰) ہے۔ دن رات کے گھنٹے چوبیس ہیں۔ دونوں کو ضرب دیجئے۔ تو تقریباً ساڑھے چار ہزار لہر گھنٹے بنتے ہیں۔ سب ملکوں سے ان کی مدد دریات "دریافت کی گئیں۔ نو ضروریات کا میزان پندرہ ہزار تک جا پہنچا۔ ہر ایک نے حرص سے کام لیا اور بعض سینکڑوں بلکہ ہزاروں سے بھی اوپر لہر گھنٹے پہلے سے دبائے بیٹھے ہیں۔ ایک انا صد بیمار۔ تقسیم کیوں کر ہو۔ رات دن لوگ اصول اصول بکارتے ہیں۔ اور اس بار کے میں ہر ملک "غلام محی الدین" بنتا پھرا۔ اور ڈھائی مہینے کی جھک جھک کے بعد معلوم ہوا۔ کہ اصولوں کی کمی نہیں۔

بلکہ بھر مار رہے۔ سر ملک اپنے اپنے مطلب کے اصول وضع کر لیتا ہے۔ فیصلہ ہوا کہ ہمہ گیر اصول جن پر سب کا یا اکثریت کا اتفاق ہو، وضع نہیں ہو سکتے۔ روس اور اس کے بعد امریکہ (ریاست ہائے متحدہ) دو بنے بنائے ہزار ہزار ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار صفحے کے PLAN ترشے ترشائے لے آئے۔ روس نے اپنے PLAN میں اپنے حواریوں کو مٹھیاں بھر بھر کر لہر گھنٹے دیئے۔ امریکہ نے لاطینی امریکنوں (یعنی جنوبی امریکہ کی ریاستوں) کو بیڑی بیڑی رعایتیں دیں۔ غرضیکہ ہر ایک نے اپنا سیاسی اوسیدھا کرنے کی کوشش کی۔ جس مرحلے پر کانفرنس اس وقت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں سودے ہوں گے۔

غریب پاکستان کس پر تپے پر کسی سے سودا کرے۔ سوچا کہ ہمارے پاس بجز شخصیت کے اس میدان میں کچھ نہیں۔ خدا کا نام لے کر شروع ہی سے اسے چمکانے کی کوشش کی۔ لیکن اس طرح کہ اسے بالکل تحصیل پر ہی نہ لئے پھریں۔ جب یہاں آئے تو کوئی نہیں جانتا نہ تھا۔ بلکہ اکثر لوگ تو پاکستان سے بھی بے خبر تھے۔ خدا کی مہربانی سے پہلے ہی ہفتے کے اندر دو تین زوردار تقریروں کا موقع مل گیا۔ ساتھ ہی ساتھ میں نے ہسپانوی بھی سیکھنی شروع کر دی۔ کچھ بحث بازی میں کرتے دکھائے۔ موقع پا کر محض تقریر کے زور سے ایک دن انگریزوں کو وہ شکست دی۔ کہ انہیں۔ میں سے زیادہ ووٹ حاصل نہ ہوئے۔ چنانچہ لوگوں کو خیال ہوا۔ کہ بحث و تمحیص میں پاکستان دوستی مفید ہے۔ بہر حال اس کی دشمنی مضر ہو سکتی ہے۔ گاہے گاہے لطیفہ بازی سے بھی کام لیا۔ ایک

مراجہ نظم انگریزی میں کانفرنس کے بارے میں لکھی جو پارٹیوں کے رستے سے کانفرنس کے روزانہ سرکار کی اخبار میں چھپ گئی اور لوگوں نے پاکستانیوں سے موقع بے موقع مسکرا کر مہمانی کرنا شروع کئے۔ ہندوستان والوں نے اپنا وفد محض انجینئروں سے مرتب کیا ہے۔ وہ لوگ انجینئر تو اچھے ہیں۔ باقی صورتہ شکل۔ الٹے انگریزی مدراسی لہجے میں بولتے ہیں۔ جس پر ترجمان تھوکتے ہیں اور خون بھی تھوکتے ہیں۔ اب میں سپانوی بلا تکلف بول لیتا ہوں۔ اور اخبار دیکھ کر پڑھنے میں تو کوئی دقت نہیں ہوتی۔ ارادہ ہے کہ رخصتی تقریر سپانوی میں کروں گا۔ میری اس لسان دوستی پر جنوبی امریکہ اور میکسیکو کے لوگ بہت خوش ہیں۔ غرضیکہ سب ہتھکنڈے استعمال کر رہا ہوں۔ باہر آ کر اتان پہلے سے بھی زیادہ پاکستانی ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت ہماری ہے۔ اب خدا کرے کہ آخری مرحلوں میں میں کامیابی نصیب ہو۔ اور دو تین مہینے کی محنت کہیں ٹھکانے لگے۔ کانفرنس کا کام توقع سے بہت زیادہ نکلا۔ اجلاس صبح دس بجے سے شام کے سات بجے تک اور بعض اوقات رات کے دس بجے تک رہتے ہیں۔ ایک دن تو صبح کے دو بج گئے۔ سوائے پچھڑے کے آدھے دن اور انوار کے کوئی تعطیل نہیں ہوتی اور یہ اوقات اور اکثر کی سماعتیں سازشوں اور مشوروں میں صرف ہو جاتی ہیں۔ کانفرنس کی دستاویزات کبھی یا قاعدہ مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ اور ان کی تعداد اس وقت تک چھ سات ہزار صفحات تک پہنچ چکی ہے۔ انجینئری کے مسئلے بھی سمجھنے پڑتے ہیں۔ ریڈیو کی تعلیم جو دس

سال میں حاصل کی ہے۔ وہ ایسے وقت میں کام آتی ہے۔
تاہم بعض باتیں بچوں کی طرح بیٹھ کر سمجھنی پڑتی ہیں۔ آپ خوش ہوں گے
کہ میں کئی مرتبہ اتفاقاً رائے سے صدر منتخب ہو چکا ہوں۔ اور بلند طبقوں
کے مشوروں میں مجھے بلایا جاتا ہے۔

میکسیکو مجھے بے حد پسند آیا۔ پہاڑی ملک ہے آب و ہوا
بھی خوشگوار ہے۔ لوگ رنگین طبع، بااخلاق، رنگین پوش ہیں۔ پابندی
ادقات کو رذیلوں کا شیوہ نہیں سمجھتے۔ موسیقی، ناچ اور سواری کے
بے حد شوقین ہیں۔ (کانفرنس کا افتتاح ارکسٹرا سے ہوا) گفتگو میں
آپ، جناب، حضور وغیرہ کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ ناممکن
ہے کہ رذیل سے رذیل آدمی آپ کا شکر یہ شاعرانہ ادانہ کرے۔ اور
آپ شکر یہ ادا کریں تو انکسار کے دد میں فقرے جواب میں نہ
کے۔ یہاں اکثریت اصلی باشندوں کی ہے۔ ان سے کم دد علی
لوگ ہیں۔ دراصل خالص ہسپانوی نثر اور لوگ اقلیت میں ہیں۔ پچاس
سال سے یہاں ایک نئی نیشنلزم پروم کے کارا رہی ہے۔ جو اپنے
آپ کو صرف میکسیکو سے وابستہ کرتی ہے۔ اور ہسپانیہ کو بہت
سرعت سے بھلا رہی ہے۔ چنانچہ ہسپانوی اقتدار کی دو تین صدیاں
جو میکسیکو پر گذری تھیں۔ انہیں تاریخ سے محو کیا جا رہا ہے اور جو وہ
دور کا سلسلہ قبل از ہسپانیہ دور سے ملایا جا رہا ہے۔ جب یہاں کے اصلی
باشندے برسر اقتدار تھے اور ان کی عظیم الشان سلطنت اور تہذیب
تھی۔ اور ہسپانوی لیروں نے ان کو تہس نہس کر دیا تھا۔ میکسیکو
شہر کی آبادی تقریباً بیس لاکھ ہے۔ اور ہمارے نقطہ نظر سے

بالکل جدید شہر ہے۔ گواہیل یورپ کو اس میں کئی غریب باتیں
 نظر آتی ہیں۔ پچھلا انقلاب یہاں تیس سال تک ریا۔ جس میں میکسیکو
 کے ذکور آدھے سے زیادہ مارے گئے۔ اب یہاں REPUBLIC
 ہے۔ (بطرز امریکہ) تعلیم کا بہت شوق ہے۔ اور امریکہ نے ناخواندگی
 کو ترقی دینے میں جتنا کام کیا ہے۔ اس کی مثالیں دنیا میں کہیں
 نہیں ملتیں۔ وزیر تعلیم پاکستان نے مجھ سے کہا تھا کہ اس پر ایک
 رپورٹ لکھنا۔ میں نے بہت کچھ مصالحوہ اس پر جمع کیا اور اسے اس
 قدر خیال انگیز پایا کہ دل میں ایک کتاب (خواہ انگریزی خواہ اردو
 خواہ دونوں زبانوں میں) پاکستان کی خاطر لکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ لیکن
 افسوس کہ کانفرنس کی وجہ سے فرصت بہت کم ملی۔ وزیر تعلیم
 اور اس کے افسروں سے تبادلہ خیالات کے لئے کئی مرتبہ وقت مقرر کیا۔
 مگر وعدہ ایفانہ کر سکا۔

اور کیا لکھوں میں کئی دلچسپ خط لکھتا۔ اگر دوستوں کے خط
 اس کے محرک ہوتے۔ بس تحریک ہی کا انتظار طبیعت کو رہا۔ وہ
 نصیب نہ ہوئی تو سہل انگاری غالب آئی۔ فرصت بھی بہت کم
 ملتی ہے۔ تاہم آپ لوگ اُساتے تو لکھنے کو یہاں انباروں
 کے اتبار لکھ ڈالتا۔

دوستوں کو میرا سلام دیجئے گا۔

خاکسار
 بخاری

ہوٹل مرینا کر سٹینا میکسیکو
یکم اپریل

برادر!

سلام مسنوں! آپ کا تیسرا خط ملا۔ یعنی جس خط کے متعلق آپ
کو شبہ تھا۔ وہ بھی مل گیا تھا۔ جواب لکھنے کا مجرم ہوں۔ فرصت ہی نہ ملی
بتر فرصت کے جو چند لمحے ملتے ہیں۔ اس میں اتنے خط لکھنے پڑتے ہیں کہ
عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ ذوالفقار زبیرہ، سرکار پاکستان، فیض، تاثیر
سب کو خط لکھے۔ کسی کو صرف ایک اور کسی کو مثلاً سرکار پاکستان کو
ہر ہفتے اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ۔ یہاں رٹ تبدیل گئی ہے۔
اور اپریل میں بھی وہ حال ہے جو ہمارے یہاں مارچ اور اپریل میں
ہوتا ہے۔ آنکھیں دھوپ سے گریز کرتے لگی ہیں۔ اور ٹوٹا ہونے کو
دل نہیں چاہتا۔ کانفرنس آخری مرحلے پر ہے۔ لوگ تھک کر چور
ہو گئے ہیں۔ اس لئے مباحثے میں یا لوجر چرچا میں دکھاتے ہیں۔ یا ہتھیار ڈال
دیتے ہیں۔ لیکن جو قومیں ہتھیلی ہیں۔ وہ اب بھی تم نہیں آنے دیتیں اور
آنکھ تک نہیں چھپکتی۔ ہمارا کام خدا کے افضل سے بہت ہی ٹھیک
رہا ہے۔ دو تین دن ہوئے یہ طے پایا کہ یہاں کی کانفرنس کو عنقریب
ختم کر دی جائے گی۔ کیونکہ اصول وغیرہ طے ہو چکے ہیں۔ باقی اصل
پلان سازی کا کام جو تفصیلی کام ہے اور جس میں کم از کم چھ مہینے اور
لگیں گے۔ ایک مختصر سی کمیٹی کے سپرد کر دیا جائے۔ جو ۱۵ جون کو سرس
میں جمع ہو۔ جب پانچ چھ مہینے میں وہ اپنا کام ختم کر لے۔ تو کانفرنس

پھر جمع ہو۔ لیکن چند دن کے لئے۔ اور پلان کمیٹی کے کام پر
 نظر ڈال کر معاہدے پر دستخط کر دیئے جائیں۔ اس پلان کمیٹی میں
 شامل ہونے کے لئے ہر ملک نے ہاتھ پاؤں مارے۔ جیسے بیدریاں
 ہوئیں۔ سو درے ہوئے۔ رعب گانٹھے گئے۔ تقریریں ہوئیں۔
 آنکھیں دکھائی گئیں۔ چوما چوائی ہوئی۔ غرضیکہ سیاست کے سب تریے
 استعمال ہوئے۔ خدائے یہ معجزہ دکھایا کہ جب ستر ملکوں میں سے صرف
 پندرہ ملکوں کی ایک کمیٹی بنی تو اس میں پاکستان کو شامل پایا۔ یہ
 فیصلہ ایک دن صبح کے ڈھائی بجے کئی گھنٹوں کی گرما گرم بحث اور
 تقریر باری کے بعد ہوا۔ جب ڈھائی بجے میں گھر واپس آیا تو عجیب
 اطمینان اور مسرت کی کیفیت تھی۔ بازار خاموش اور دیران تھے۔ اور اپنے
 قدموں کی آہٹ کے سوا کوئی آواز سُتائی نہ دیتی تھی۔ جب ۲۲ اکتوبر کو
 ہم یہاں پہنچے تو کوئی ہمیں جانتا نہ تھا۔ پاکستان کے نام سے بھی
 لوگ ناواقف تھے۔ ستر قوموں میں سے سب سے نئی قوم۔ ستر
 قوموں میں سے سب سے نا تجربہ کار ملک۔ نہ ٹرانسمیٹر پاس ہے۔
 نہ کہن سال انجنئر۔ ریڈیو کی صفت میں کوئی حیثیت ہی نہیں۔ لیکن پانچ
 مہینے کے عرصے میں پاکستان کو خدا نے یہ عزت دی کہ ہر اہم کمیٹی اور
 اہم مشورے میں اس کی حیثیت صدر یا پھر نائب صدر کی ضرور تھی۔
 اور اب جب کہ کانفرنس نے دنیا بھر کی ایک مختصر کمیٹی بنائی ہے۔
 تو اس میں بھی پاکستان اس خوبی سے دھرا ہے کہ کسی کو اس کے حق
 شمولیت پر شبہ کرنے کا خیال تک نہیں آتا۔ وزارت تعلیم
 پاکستان کا ارشاد ہے کہ کانفرنس کے بعد کچھ عرصہ ٹھہر جاؤں۔ اور

میکسیکو کے نظام تعلیم کا مطالعہ کر کے اس پر ایک رپورٹ
 لکھیں۔ یہاں کے عوام بھی ہماری طرح نادار اور ان پڑھ تھے میکسیکو
 کی انقلابی جماعت نے بڑا اقتدار آتے ہی۔ تعلیم کے میدان میں
 حسرت انگیز کام کیا۔ تمام دنیا انگشت بزدلانہ ہوئی۔ اس میں سالوں
 کی تاخیر نہیں، ہفتوں کی۔ وہ بھی اچھی پوری طرح طے نہیں ہوا۔ دیکھئے
 پہلے لوگ پاکستان کو ہندوستان کا شاگرد اور بر خوردار سمجھتے
 تھے۔ اور جب بھی انتخاب کی نوبت آتی لوگ سمجھتے پاکستان
 اور ہندوستان دونوں میں سے صرف ایک کا ہونا کافی ہے۔ رقتہ
 رقتہ لوگوں نے محسوس کیا کہ پاکستان ہندوستان کا چھوٹا بھائی
 نہیں۔ تمام مسلم ممالک کا بڑا بھائی ہے۔ پھر اس کے بعد یہاں تک
 نوبت آئی کہ لوگ ہندوستان کے ساتھ پاکستان کا ہونا از حد ضروری
 سمجھنے لگے۔ اب آئندہ خدا کے فضل سے کم از کم ریڈیو کے
 بین الاقوامی میدان میں پاکستان کو کرسی ہمیشہ صفت اول میں
 ملا کرے گی۔ ہم پاکستانیوں نے اس پر ایک جشن منگایا۔
 اور سب آبدیدہ ہو گئے۔

خاکسار

بخاری

۳۰

یکم جولائی ۱۹۵۱ء

برادر محترم!

سلام مسنون! آپ کے خط سے ڈہری ندامت ہوئی۔
 جب آپ کا خیال آتا ہے۔ تو شرم کے مارے لمحہ بھر کو ہاتھ پاؤں سرد
 ہو جاتے تھے۔ لیکن یقین مانیے۔ کہ اپنی خاموشی کی سزا بھی سب سے
 زیادہ مجھ کو ہی ملتی رہی۔ اجیاب بعید تر ہوتے گئے۔ اور میری تنہائی
 بڑھتی گئی۔ مہینوں کی غفلت کے بعد کسی کو خط لکھا بھی۔ تو جواب
 نہ آیا۔ کیونکہ وہاں توجہ کا چشمہ اس عرصے میں خشک ہو چکا
 تھا۔ مجھے ندامت اور توبہ کا صلہ بھی نہ ملا۔ لیکن سالک کی وفا شعاری
 ہمیشہ استحقاق سے تجاوز کر جاتی ہے۔ خدا آپ کو زندہ سلامت
 اور خوش و خرم رکھے۔ آئیں دوستی آپ ہی کے دم سے زندہ ہے۔
 ورنہ دائیں بائیں الفتیں مر رہی ہیں۔ جو مر نہیں چکیں۔ وہ زندہ درگور
 ہیں۔

جولائی ۱۹۵۷ء میں یہاں پہنچا۔ تو ذیابیطس کا شکر اپنے ساتھ
 لایا۔ کئی ہفتہ روزانہ پیشاب کا مطالعہ کرتا رہا۔ اور زندگی کے باقی اوراق
 سب تہ کر کے رکھ دیئے۔ کہ شفائے شاشی ہو لے۔ تو زندگی کا
 دھارا پھر ٹھیک سے بہنے لگے گا۔ لیکن جیتا تک اس میں شکر
 شامل ہے۔ باقی شیرینیاں حرام ہیں۔ ٹیکے کی پیکاریاں اور قطرہ پیمانیاں
 دن رات اسی نوع کے شیشہ آلات کی نظر ہو گئے۔ اس عرصے میں
 مکان کی تلاش رہی۔ یکے بعد دیگرے دو اپارٹمنٹ بدلے۔ دونوں
 عارضی تھے۔ لیکن یقین ہو گیا۔ کہ اپارٹمنٹ میں رہنا ہم تنہا پسندوں
 کے لئے ناممکن ہو گا۔ ایک پہاڑی عمارت اس میں درجوں ڈر بے
 کوئی چھوٹے کوئی بڑے، پھر ہماری مقفل اور پراسرار، الٹو میٹک

لفٹ میں پندرہویں منزل پر رہتا تھا۔ کئی مرتبہ خیال آیا کہ اگر ”۱۵“ کا بٹن دبائے کے بعد رُوح نقس عنصری سے پرواز کر جائے۔ تو یہ لفٹ کا منقس کبخت بے حس و یلاتا بل پندرہویں منزل تک چڑھتا چلا جائے گا۔ اور وہاں پہنچ کر اس کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور اسے اتنی بھی تمیز نہ ہوگی۔ کہ جس نے یہ بٹن دبایا تھا۔ وہ اب محض ایک لاش ہے۔ اور دروازہ کھلنے پر بھی باہر نہیں نکل سکتا۔ تو عجیب وحشت ہوتی تھی۔ انسان کو ہر وقت یہ توقع رہتی ہے۔ کہ اس کے مرجانے پر کچھ غلقہ ہوگا۔ کوئی اٹھا مے گا۔ کوئی اٹھائے گا۔ کوئی روئے گا، کوئی چلائے گا۔ جب یہ توقعات یک لخت مفقود ہو جائیں۔ تو ہم ایشیائی لوگوں کو چاروں طرف تاریکی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ یہاں آ کے معلوم ہوا کہ ہم لوگوں کی زندگی جماعت کی گنتی عادی ہے۔ اس عرصے میں ملازم بھی کوئی نہ تھا۔ کھانا ہمیشہ باہر کھاتا تھا۔ بجنر صبح کے ناشتے کے۔ چنانچہ اٹڈے پکانے میں مہارت حاصل کر لی۔ لیکن وہ جو بازار پر دوسرے تیسرے دن سودا سلف کے بٹل اٹھا کر گھر لائے پڑتے تھے۔ اس میں کبھی مہارت حاصل نہ ہوئی۔ ہمیشہ اپنے آپ پر ترس آتا تھا۔ کہ اللہ اللہ جن کے طویلے بیج کئی دن کی بات ہے۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ زندگی احتجاج اور افسردگی کا مجموعہ تھی۔

ستمبر ۱۹۵۷ء میں مکان کرایہ پر لے لیا۔ ایک جیشن کو ملازم رکھ لیا۔ لیکن ساتھ ہی جنرل اسمبلی کا زمانہ آ گیا۔ ڈیلیگیٹوں کا قافلہ پاکستان سے آن پہنچا۔ رات تو شہر میں گزرتی تھی۔ لیکن صبح تو بجے سے

شام کے ساتھ آٹھ بجے لیک سکسیس میں رہتے تھے۔ جو یہاں سے بیس میل کے فاصلے پر ہے۔ دن کم و بیش فجر کے وقت شروع ہوتا تھا۔ کیونکہ طفر اللہ خاں صاحب جو یہاں سے اور بھی بیس میل دور رہتے تھے۔ یاد جو اس فاصلے کے صبح نو بجے سب سے پہلے آن پہنچتے تھے۔ ہم شب زندہ دار ٹھہرے۔ کچھ نہ پوچھیے۔ کہ دُنیا و عاقبت دونوں میں سرخروئی حاصل کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمارا یہ حال تھا کہ رات ہی زمرم پر نے اور صبح دم دھوئے دھسے جامہ احرام کے۔ اسمبلی ختم ہوئی۔ تو کشمیر کا شولہ پھر بھڑکنے لگا۔ اسمبلی کے ڈیلیگیٹ اسمبلی ختم کرنے کے بعد موٹروں اور فریجریٹروں کا سودا چکانے کے بعد پاکستان لوٹے تو محمد علی اور ان کا قافلہ آن پہنچا۔ وہ گئے۔ تو ڈاکٹر گرامم کا قصیہ لٹکتا ہوا چھوڑ گئے۔ بخرا خدا کر کے پچھلے ہفتہ گرامم یہاں سے روانہ ہوئے۔ تو پہلی مرتبہ اطمینان کا سانس لیا۔ لیکن یہ بھی کب تک رات دن چکر میں ہیں ساتھ آسمان۔ رفتہ رفتہ نئی زندگی کا عادی ہو گیا ہوں۔ جب میں یہاں پہنچا تو دفتر کو اپنے معیار کے مطابق (مردہ پایا۔ اس سے متقدمین کی گستاخی یا مذمت مقصود نہیں۔ ہر طبیعت کا تقاضا الگ ہوتا ہے۔ میری طبیعت ایسی ہے۔ کہ بے حسی سے کام کر ہی نہیں سکتا۔ ہلکا ہلکا سا بخار چڑھا ہے۔ تو سمجھتا ہوں کہ حرارت عنزیری سے محروم ہوں۔ اور جمود طاری ہے۔ یہاں حالت یہ تھی کہ یو۔ این کا فیصلہ کراچی پہنچا دیا۔ کراچی کے کہنے پر دو ٹوٹ دے دیا۔ اللہ اللہ خیر سلا۔ یہ مشن محض ایک ڈاکخانہ بن کر رہ گیا ہے "کاردار خاص" بکمز

ہر کارے کے کچھ نہ تھا۔ کام پھیلا یا تو اس کا بوجھ میرے کندھوں
 پر کھڑا تھا اپنی وقت پسندی کی شکایت کس سے کروں۔ یہاں کا کام
 وقت بہت زیادہ مانگتا ہے۔ ساٹھ ملکوں کے ساٹھ وفد۔ ہر ایک
 کا دوٹ کسی نہ کسی موقع پر اہم بن جاتا ہے۔ سفارتی گفت و شنید
 عجب سست رفتار ہوتی ہے۔ ساٹھ وفدوں میں سے ہر ایک
 کو سلام کیجئے۔ مناسب وقفے کے بعد خیریت دریافت کیجئے۔ بیوی
 بچوں کا حال پوچھیے۔ کھانے کی دعوت دیجئے۔ موسم کا ذکر یا تفصیل
 کیجئے۔ حرفت مطلب زبان پر یوں لائے۔ کہ بار نہ ہو۔ پھر ہفتوں
 جواب کا انتظار کیجئے۔ اس دوران میں مسکراتے رہئے۔ اور نگاہ
 رکھئے کہ پہلے چل رہے ہیں کہ کہیں رُک گئے ہیں۔ رُک گئے ہوں۔
 تو روغن تاز، آتش سیال، یا قطرہ تیزاب جیسا حکیم بتائیے۔ کام
 میں لائیے۔ کاک ٹیل پارٹیوں میں حاضری دیجئے۔ یہ کاک ٹیل پارٹیاں
 بھی قدا جاتے کس موذی نے ایجاد کی تھیں۔ جب حکومت شخص ہی ہوا کرتی
 تھی۔ تو کوئی باتیں دسترخوان پر پوری ہو جاتی تھیں۔ محمد شاہ اسی دعوت
 دے کہ نادر شاہ کا دل پیسج جائے۔ تو یہ ہوئی سیاست۔ لیکن یہاں
 تو کوئی بغیر اپنی حکومت کے اشارے کے انگلی تک نہیں ہلاتا۔ پھر
 بھی بہت ضیافتوں پر وقت اور پیسہ ضائع کرتے رہتے ہیں شراب
 کا بھی کبھی دلدادہ نہ تھا۔ لیکن عصمت بچانے کے لئے ایک گلاس
 ضرور ہاتھ میں رکھنا پڑتا ہے۔ ورنہ ہر دو منٹا کے بعد کوئی نہ کوئی
 آپ سے تو وضع برتنے گا۔ اور آپ جواب دیتے دیتے دامن
 بچاتے بچاتے تھک جائیں گے۔ پھر بھڑ بھڑاتی زیادہ ہوتی ہے کہ

کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ (اور یہ تصادم محض کھوؤں تک ہی محدود نہیں ہوتا) وقت ایسا ہوتا ہے کہ آپ شام کا کھانا نہ اس سے پہلے کھا سکتے ہیں۔ نہ بعد میں۔ لیکن جو لوگ سفیر یا وزیر بن جائیں۔ ان کی قسمت میں یہی لکھا ہے۔ کہ ہفتے میں دو تین مرتبہ یہ سفر اضرار بھگتیں۔ میں کاک نیل کا یہاں منتظر رہتا ہوں۔ جسے کوئی کسی آپریشن کا منتظر ہو کہ تکلیف بخوبی ہوگی لیکن اس کے بغیر چارہ بھی نہیں۔ جس دن کاک نیل پارٹی ہو۔ میری شام غارت ہو جاتی ہے۔ دو گھنٹے مسکرا مسکرا کر کھلے اگر جاتے ہیں۔

خوبی قسمت سے مجھے مکان ایسا مل گیا ہے۔ کہ طبیعت اس میں خوش رہتی ہے۔ مکان سرکار دیتی ہے۔ لیکن ملازموں کا خرچ خود برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اور چونکہ رتبہ بڑا ہے۔ تنخواہ تھوڑی۔ اس لئے تنخواہ کے مطابق مکان لیجئے۔ تو پاکستان کی توہین ہوتی ہے۔ اور رتبہ کے مطابق ٹھاٹھ کیجئے۔ تو جیب ساتھ نہیں دیتی۔ ہفتوں اس کشمکش میں گزرے۔ بالآخر ایسا مکان مل گیا جس میں ڈیڑھ ملازم سے کام چل سکتا ہے۔ اور پاکستان کے نام کو بھی بیٹہ نہیں لگتا۔ (ملازمہ کی تنخواہ چھ سو روپے ماہوار ہے۔ اس کی خوراک اور رہائشی کمرہ الگ) چھ کمرے ہیں۔ لیکن تین منزلوں پر، بالکل لب دریا ہے اور رات دن آتے جاتے جہازوں کے نظارے سے تنہائی کا احساس کم رہتا ہے۔ ایک ہزار کے قریب کتابیں اور چند سُرخ پتھر کے مجسمے چغتائی کی تین تصویریں اور ایک اونٹ کی ادھڑی کا لیمپ اور تین پاکستانی پھلکاریاں، ایک تانبہ کا آفتابہ۔ یہ سب ساتھ لایا تھا۔ ان کی وجہ سے

دل میں بہو کی ایک بوند نظر آتی رہتی ہے۔

میرے شغل تین قسم کے ہیں۔ ایک تو سیاسی یعنی شطرنج اور ملاقاتیں اور جاسوسی اور دعوتیں اور بحثیں اور گفت و شنیدیں اور کراچی کے ساتھ تلفرات بازی اور تعمیل احکام۔ دوسرے پبلسٹی یعنی مسلسل تقریریں بیشتر کشمیر پر۔ بعض پاکستان کے عام حالات پر۔ چند ادب اور دیگر کلچرل معاملات پر۔ میری مانگ بہ نسبت اور حلقوں کے کالجوں اسکولوں۔ یونیورسٹیوں اور گرجوں میں زیادہ ہے۔ اور روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ اب تک کوئی سو دو سو لیکچر دے چکا ہوں۔ اور اس سلسلے میں اکثر سفر میں رہتا ہوں۔ دنیا میں ہمارا دشمن بجز ہندوستان کے اور کوئی نہیں ہے۔ لیکن ہندوستان کا نام بڑا ہے۔ گاندھی اور سائپا اور ساڑھی اور بھان متی اور شیر اور ہاتھی سب اس کے حقے میں آتے ہیں۔ پاکستان سے لوگ کم واقف ہیں۔ کما حقہ پبلسٹی کے لئے کھربوں روپیہ چاہیے۔ اس لئے جو موقع مل جاتے ہیں۔ ان سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اکثر لوگ صاف دل لیکن ہندوستان سے بے حد مرعوب ملتے ہیں۔ تاہم معقول بات کیجئے تو اثر پذیر ضرور ہوتے ہیں۔ ایک گرجے میں لوگ پاکستان کے حالات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ لیکچر کے بعد سب نے زانو ڈوں کے بل کھڑے ہو کر پاکستان کی بہبود کے لئے دعا مانگی۔ اور ایک مذہبی HYMN میں پادری صاحب کے تصنیف کردہ دد بتد پاکستان کے متعلق شامل کر لئے۔ کالجوں اور اسکولوں کے بیشتر طالب علم میرے گھر کے طوائف کرتے رہتے تھے اور پاکستان کے ٹکٹ اور تصویریں اور پمفلٹ مجھ سے لے جاتے ہیں۔

ان دو شغلوں سے فراغت ملے تو ادبی ذوق کی آبیاری کرتا ہوں۔ یہاں پڑھے لکھے لوگ زیادہ ہیں۔ علماء کم دیکھنے میں آتے ہیں مقررین اس قدر مختلف ہیں کہ گھنٹوں ہم ربانی کے بعد بھی ہم خیالی کم نصیب ہوتی ہے۔ بے چاروں کی سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ جب امریکہ کے پاس سب کچھ موجود ہے تو اسے لوگ اپنے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔ کلچرل دنیا میں سب کچھ حاصل کر لیتے ہیں۔ بجز حسین مذاق کے۔ چنانچہ حسن کو لپ اسٹک اور ہوائی جہاز میں ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ بپے اور سامان کی رہتا ہے۔ جتنا کھا سکتے ہیں۔ اس سے دگنا پھینک دیتے ہیں۔ دکانیں اثاثہ سامان سے بھری رہتی ہیں۔ اشتہاروں کی وہ بھرمار ہے کہ سورج چاند نظر نہیں آتے۔ ایک اخبار کے سنڈے ایڈیشن میں اثاثہ کاغذ لگاتے ہیں کہ پاکستان کے سب اخباریں سال تک اس پر چھپ سکتے ہیں۔ تاہم خوش نہیں رہتے کسی چیز پر قانع نہیں ہوتے اور ایک بے قراری سی ہر وقت ان پر مسلط رہتی ہے۔ جب موقع ملے ایک آدھ دن ہارڈ یونیورسٹی میں جا کر گزارتا ہوں۔ وہاں رچرڈ صاحب انگریزی کے پروفیسر ہیں۔ کیمبرج میں میرے استاد تھے۔ ان کی مروت کی وجہ سے وقت وہاں اچھا کٹ جاتا ہے۔

ان ہی کی بددلت میرے وہاں چند لیکچر بھی انگریزی اور امریکن اساتذہ کے متعلق ہوئے۔ نیویارک میں دوست مشکل سے دستیاب ہوتے ہیں۔ ذہنی اور مادی دونوں فاصلے زیادہ ہیں۔ دوستوں کا جھگڑا جس کے ہم عادی ہیں۔ وہ یہاں میسر نہیں۔ بجز اس کے کہ ایک "پارٹی" کا ایک وقت۔ لیکن میں نے پارٹیاں صرف سیاست دانوں

کے لئے وقف کر رکھی ہیں۔ ان سے عہدہ برآ ہونے کے بعد پیسہ ہی اتنا پاس نہیں ہوتا کہ انسان پاؤں پھیلا سکے۔ لیکن دو تین مصنفوں اور ایک آدھ تھینٹر کے ارباب حل و عقد سے ملاقات ہے۔ ان کی بدولت کبھی کبھار شام رنگین ہو جاتی ہے مگر آپ جانتے ہیں۔ دوستی کے جو رشتے شباب میں قائم ہو جائیں۔ ان کا بدل باقی تمام عمر میں نصیب نہیں ہوتا۔ اس لئے تشنہ رہتا ہوں۔ اب کچھ اُردو کی کتابیں بھی منگوائی ہیں۔ تین چار مہینے اُردو کی صورت سے محروم رہا۔ پیاس کے مارے زبان باہر لٹکتے لگی تھی۔

صحت کے متعلق پریشانی سی رہتی ہے۔ ڈاکٹروں سے چھٹکارا نہیں ہوتا۔ خدا حکومت پاکستان کا بھلا کرے۔ کہ علاج معالجے کے اخراجات وہ برداشت کرتی ہے۔ ورنہ یہاں کی فیسیں ایسی ہیں کہ خود ادا کرنی پڑتیں تو مردہ ہی خراب ہوتا۔ ذیابیطس مجھے نہیں۔ مگر احتیاط ضرور کرنا پڑتی ہے۔ پھر کچھ سرطان کے عود کا شبہ ہوا۔ مگر جگر میں خرابی پیدا ہوئی۔ چنانچہ ہر سہفتے ایک نہ ایک ٹیسٹ رہتا ہے۔ ناک میں دم آگیا ہے۔ (ان باتوں کا ذکر زبیدہ سے ہرگز نہ کیجئے گا۔ وہ بے چاری ناحق پریشان ہوگی)۔

اجاب سے محض بے خبر ہوں۔ تاثیر کی موت کا اب تک یقین نہیں آتا۔ آغا حمید کی شادی پر تہنیت کا ان کو تار دریا۔ جواب نہ آیا۔ حسرت، صوفی، ہاشمی، عابد کسی نے بھی خط نہیں لکھا۔ (مجرم میں بھی ہوں)۔ ذوالفقار مجھ سے بلا وجہ رنجیدہ ہے۔ اس کی بچیوں کو یہاں سے کچھ مخالف بھیجے۔ اسے بھی ایک دو خط لکھے۔ لیکن کسی چیز کا

جواب نہ آیا۔ جو پاکستانی یہاں آتے ہیں۔ ان سے داستائیں سُنتا رہتا ہوں۔ لیکن وہ اپنی دنیا کا حال بیان کرتے ہیں۔ میری دنیا کی بات کوئی نہیں کرتا۔ نیا شعر ایک برس سے نہیں سُتا۔ بار بار وہی شعر گنگناتا رہتا ہوں۔ جو عہدہ تگیں میں فردوس گوش ہوئے تھے۔ ہارمونیم ساتھ لایا تھا۔ کبھی کبھی اس پر نوالی گاتا ہوں۔ پاکستانیوں میں سے محمد علی، آفتاب، عبد القیوم، ریڈ۔ ایچ خاں، عبد القادر، غلام محمد وغیرہ ہم یہاں آتے جاتے ہیں۔ ان سے چند مجلسیں قائم ہو جاتی ہیں۔ لیکن بلا نوشوں کو اس سے کیا تسکین ہو سکتی ہے۔

بڑھا پا بھی آرہا ہے۔ اس کا احساس مجھے ابھی تک نہیں ہوا۔ لیکن آثار تو اندھے کو بھی دکھائی دے رہے ہیں۔ وزیر اعظم کے ساتھ جو امریکہ کا دورہ کیا تھا۔ اس سے صحت پر سخت چوٹ پڑی۔ کسی دن دو تین گھنٹے سے زیادہ نہ سویا۔ اور عظیم ذمہ داری کی وجہ سے میرے اعصاب پر بھی سخت اثر پڑا۔ اس کے بعد آج تک تعطیل نصیب نہ ہوئی۔ اکتوبر، نومبر میں تین مہینوں کے لئے پرس جانا ہو گا۔ کیونکہ جنرل اسمبلی اس سال وہاں ہوگی۔ ارادہ ہے کہ بیچ میں کرسمس کے لگ بھگ دو تین ہفتوں کے لئے کراچی کا چکر لگاؤں گا۔ لیکن دیکھئے حالات کیا کروٹ لیتے ہیں۔

آپ کی زندگی میں بھی انقلاب کی وفات سے انقلاب آگیا ہو گا۔ خدا کرے۔ آپ کی ہمت میں خم نہ آئے۔ اپنے حالات سے مجھے مطلع رکھیے گا۔ انشائے اللہ اب میں خط و کتابت میں کوتاہی نہ کروں گا۔ خط ضرور لکھئے کوئی شعر مل جائیں۔ تو وہ بھی بھیج دیجئے گا۔

کوئی کتاب کام کی ہو تو وہ بھی۔ منصور سے کہیے۔ فارن آفس کی
معرفت ڈپلومیٹک بیگ میں بھجوادے گا۔

خاکسار

بخاری

اس خط پر نظر ثانی کی۔ تو احساس ہوا کہ رونا دویا ہے۔ اور
پڑمردگی کے سوا کم کسی چیز کا ذکر کیا ہے۔ اسے مکمل تصویر نہ سمجھئے۔
پہلا خط ہے اس لئے دیکھنا سا معلوم ہوتا ہے۔

بخاری

بنام مولانا غلام رسول مہر

یہ مکاتیب مختصر سی تمہید کے متقاضی ہیں۔

۱۔ یہ اس زمانے کے ہیں جب بخاری صاحب کی خدمات آل انڈیا ریڈیو نے مستوار لے لیں تھیں۔ حکومت پنجاب کے روبرو ان کے گریڈ کا معاملہ پیش ہوا۔ تو یہ اعتراض اٹھا۔ کہ جن اصحاب کی خدمات دوسرے محکموں میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ وہ اپنی سابقہ تنخواہ سے زیادہ تنخواہ وصول کرتے ہیں۔ نئے محکمے میں ترقی کے زیادہ مواقع ہوں گے۔ تو ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ادھر سابقہ محکموں میں نہ صرف اپنی ملازمتوں کا رشتہ استوار رکھتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ گریڈ سے اسی طرح مستفید ہوتے رہیں۔ جس طرح اصل محکمے میں رہ کر رہتے ہوئے مستفید ہوتے۔ ان حالات میں اس وقت کی حکومت پنجاب کا رجحان یہ تھا۔ کہ کسی ایسے شخص کو گریڈ سے مستفید ہونے کا موقع دیا جائے۔ جو اصل محکمے میں برسر کار ہوں۔

۲۔ اس وقت سردار سکندر حیات خاں مرحوم نے وزارت قائم کر رکھی تھی۔

اور میاں عبدالحی مرحوم وزیر تعلیمات تھے۔ کسی نے میاں صاحب اور سردار صاحب دونوں سے عرض کیا تھا۔ کہ اول جس شخص کی خدمات سے کوئی دوسرا محکمہ فائدہ اٹھانے پر آمادہ ہو جائے۔ لازماً وہ وسیع صلاحیتوں کا مالک ہوگا۔ اداسے ان خوبیوں کی سزا نہ دینی چاہیے۔ دوسرے بخاری صاحب کی غیر معمولی شخصیت پیش کی تھی۔ ادا کہا تھا۔ کہ ان کے معاملے کو مستثنیٰ سمجھا جائے۔ دونوں نے میری یہ استدعا قبول کر لی اور بخاری صاحب کو گریڈ مل گیا۔

۳۔ مسٹر من موہن ڈپٹی ڈائریکٹر تعلیمات تھے اور جن اصحاب کو ان سے ملاقات کا موقع میسر آیا۔ وہ اعتراف کریں گے کہ موصوفت بلند قابلیت اور بلند اخلاق کے افسر تھے۔ آج یہ حقیقت عرض کر دینا غالباً غیر مناسب نہ ہو کہ مسٹر موہن کے خلاف سب سے زیادہ شکایات جنوبی و مشرقی پنجاب کے جاٹ میمبروں نے پیش کی تھیں۔ جو اتحاد پارٹی کا ایک اہم عنصر تھے۔ اور جو ہدری جھوٹو رام کو اصرار تھا کہ مسٹر من موہن کو ڈپٹی ڈائریکٹری سے ہٹا دیا جائے۔ اس سلسلے میں بڑی تک و دو کی ضرورت پیش آئی۔ یہاں تک کہ جھوٹو رام کی خدمت میں بھی تمام تفصیلات عرض کر کے انہیں راضی کیا گیا۔ کہ مسٹر من موہن وقت کے لحاظ سے بہترین شخص ہیں۔ مسٹر من موہن بخاری صاحب اور بعض دوسرے اصحاب کے عزیز دوست تھے۔ ان سب نے اس دور ابتلا میں موصوفت کے لئے ہر ممکن کوشش کی تھی۔ یہاں تک کہ بخاری صاحب نے ان کے معاملے کو اپنے معاملے پر بھی مقدم رکھا۔ اس کا نتیجہ بھی حسبِ مراد نکلا۔ یعنی مسٹر من موہن اپنے

عہدہ پر برقرار رہے۔

۴۔ دھرم پور میں ملاقات نہ ہو سکتے کا یہ معاملہ ہے۔ کہ بخاری صاحب اپنے حقوق کے سلسلے میں ڈائریکٹر صاحب تعلیمات نیر وزیر تعلیمات وزیر اعظم سے ملنے کے لئے شملہ گئے تھے۔ میں اس زمانے میں اپنے بھائی کے پاس ستاور میں ٹھہرا ہوا تھا۔ جو دھرم پور کو ہستان شملہ سے قریب ہے۔ فون کے ذریعے سے ملے ہو چکا تھا۔ کہ میں دھرم پور پہنچ کر ان سے مل لوں گا۔ بخاری صاحب کو شملہ سے آتے میں دیر ہو گئی۔ اور کس قدر اندھیرا ہو گیا۔ میں دھرم پور اسٹیشن پر بیٹھا رہا۔ جب کوئی موٹر آتی۔ کسی آدمی کو بھیج کر دریافت کرا لیتا۔ بخاری صاحب اسٹیشن سے آگے نکل کر اس سڑک پر میرا انتظار کرتے رہے۔ جو کسولی اور ستاور کی طرف جاتی ہے۔ میں مایوس ہو کر ستاور چلا گیا۔ وہ مایوس ہو کر کالکا پہنچے۔ اور وہاں سے ستاور ٹیلی فون کرتے رہے۔ چونکہ میں دھرم پور میں تھا۔ اس لئے فون پر گفتگو نہ ہو سکی۔ ستاور پہنچنے پر ان کے فون کا علم ہوا۔ تو وہ کالکا سے ٹرین میں سوار ہو کر دہلی جا چکے تھے۔

۵۔ بخاری صاحب نے ایک مکتوب کے آخر میں لکھا ہے کہ اول اس کی رسید بھیجی جائے۔ دوسرے اسے پڑھنے کے بعد چاک کر دیا جائے۔

اس آخری ارشاد کا مدعا یہ تھا۔ کہ خط کسی کے ہاتھ نہ پڑ جائے۔ کہ اس کی اشاعت سے اسر خوات مصلحت تھی۔ اور میں نے اسے چاک نہ کیا اور یہ الٹا نہیں۔ بلکہ اتفاقاً محفوظ رہ گیا۔ اب اس کی اشاعت کسی بھی

مصلحت کے خلاف نہیں۔ اور یہ اس عزیز دوست کی نگارشات کا ایک مرقع ہے۔ جس پر تحریر کو اس وقت ایک بیش قیمت تحفے کی حیثیت حاصل ہے۔

۲۰۔ پرتھوی راج روڈ نئی دہلی۔

بروز اتوار
مشفق محترم!

نہ معلوم کیا بات ہوئی۔ دھرم پور میں آپ دکھائی نہ دیئے۔
سنادر کی سڑک اور بڑی سڑک کے مقام اتصال پر میں آدھ گھنٹہ انتظار
کرتا رہا۔ پھر مایوس ہو کر چلا گیا۔ کالکا پہنچ کر آپ کو سنادر ٹیلی فون کیا۔
اور ساڑھے نو بجے تک تین مرتبہ ٹیلی فون کیا۔ لیکن آپ سنادر میں
تشریف فرما نہ تھے۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ آپ ضرور دھرم پور
تشریف لے گئے ہوں گے۔ اور وہاں میرے منتظر ہوں گے۔ مجھ سے
نہ مل کر آپ کو یہ انتہا کو وقت ہوئی ہوگی۔ جس کے لئے میں بہت ناام
ہوں۔ اور معافی کا خواستگار ہوں۔ معلوم ہوتا ہے۔ میری بصارت
نے مجھے دھوکہ دیا۔ آپ ضرور سڑک پر ہوں گے۔ لیکن مجھے نظر نہ
آئے تھے۔

یہ حال شملے کی داستان سن لیجئے۔ ڈائریکٹر صاحب سے ملا پھر
میاں صاحب قبلہ سے ملا۔ دونوں نے حامی بھری کہ تمہیں سلیکشن گریڈ
دے دیا جائے گا۔ اس مسئلہ پر کہ میں پنجاب میں واپس آؤں۔ یا آؤں

تو کب آؤں۔ بحث ہی نہ ہوئی۔ بلکہ اس بات کا ذکر تک نہ آیا۔ میں نے بھی اسے چھڑنا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس وقت میں نے واپس آنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ تو میاں صاحب کو گونا گوں دقتیں پیش آئیں گی۔ اور میں نہیں چاہتا کہ انہیں اس وقت مشکلات میں مبتلا کیا جائے۔ جب انہوں نے مجھے بغیر واپس بلانے کے سلیکشن گریڈ دینے کا وعدہ کر لیا۔ تو اس پر اکتفا کرنا چاہیے۔ میاں صاحب کا رویہ از حد مشفقانہ اور ان کا سلوک بہت ہی اچھا تھا۔ خدا ان کو خوش رکھے۔ انہوں نے ہر طرح سے میری تسلی کر دی۔ وزیر اعظم صاحب سے بھی ملا۔ انہوں نے بھی امداد کا وعدہ کیا۔

اب سوال یہ ہے کہ آپ کو شملہ جانے کی تکلیف دی جائے یا نہ، بظاہر تو اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن فی الحقیقت اس کی ضرورت ابھی تک موجود ہے۔ جانے سے فائدہ نہ ہو۔ لیکن نہ جانے سے اغلباً نقصان ہوگا۔ اس لئے مجھ پر اتنا کرم کیجئے کہ ایک دن کے لئے شملہ چلے جائیے۔ میاں صاحب سے مل کر پوچھئے۔ کہ سلیکشن گریڈ کے متعلق انہوں نے کیا فیصلہ کیا۔ اور میرے واپس پنجاب آنے کا تذکرہ نہایت سرسری (وہ بھی اگر ضرورت پڑے تو) کیجئے۔ ورنہ خیر۔ میاں صاحب سے ملنے سے پہلے من موہن سے ضرور مل لیجئے۔

اس کے علاوہ ایک اور کام ہے اور وہ شاید میرے کام سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعض شریر لوگ اور بعض

شکر

نیک مگر غلط فہمی میں مبتلا لوگ اس بات پر زور دے رہے ہیں
 کہ من موہن کو موجودہ عہدے سے ہٹا دیا جائے۔ ڈائریکٹر ان کے کام
 سے خوش ہیں۔ میاں صاحب خود ہر طرح سے خوش اور مطمئن ہیں۔
 پھر کیا وجہ ہے کہ خواہ مخواہ من موہن پر کلنگ کا ٹیکہ لگا دیا جائے؟
 لیکن اہل غرض کا ریا ڈور تک پہنچ چکا ہے۔ جب میں شملہ سے روانہ
 ہوا۔ حالات تشویش ناک تھے۔ آپ سے ملاقات ہو جاتی
 تو بیشتر وقت میں اسی بات پر صرت کرتا۔ اب حقیقت یہ ہے۔ کہ
 حکومت خواہ مسلمانوں کی ہو خواہ ہندوؤں کی۔ ہندو افسروں کا
 وجود تو ضروری ہے۔ مگر یہ سچ ہے تو کیا وجہ ہے کہ ایسے ہندوؤں
 کی حمایت نہ کی جائے۔ جو لائق، فہم اور ایماندار ہیں۔ اور خدا گواہ ہے۔
 کہ من موہن سے بہتر آدمی اس وقت کسی مذہب میں بھی نہیں مل سکتا۔
 ان کا ریکارڈ حقیقت سے خفیہ شبہ سے بھی پاک ہے اور ان کی
 دیانت اور احسانیت مسلم ہے۔ اور پھر کوئی ایسا مسلمان افسر بھی
 موجود نہیں۔ جو ان کی جگہ مقرر کیا جاسکے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ انہیں
 خواہ مخواہ پریشان کیا جائے اور وہ اس قدر دلگیر ہیں۔ کہ استغاثت
 دینے پر آمادہ ہیں۔ ذرا ان سے مل لیجئے۔ اور اس کام کو میرے
 کام سے بھی ضروری سمجھ کر ان کی مدد کیجئے۔ میں آپ کی عنایتوں کا
 بے انتہا ممنون ہوں۔ آپ نے میرے لئے بہت زحمت برداشت
 کی۔ اور آپ کا احسان عمر بھر نہ بھولوں گا۔ آخر میں دو ضروری باتیں
 عرض کرتا ہوں۔ ایک تو اس خط کی رسید ضرور بھیجئے۔ دوسرا اسے
 پڑھ کر چاک کر دیجئے۔

خاکسار
بخاری

۲

۲۰۔ پرتھوی راج روڈ، نیو دہلی۔

۵۔ جون

محترم دوست

سلام مسنون! میں ایک معافی کی عرضی پہلے آپ کی خدمت میں بھیج چکا ہوں۔ اب گرامی نامہ آنے پر دوبارہ لکھ رہا ہوں۔ یقیناً ماننے کہ میں از حد شرمندہ ہوں۔ کہ آپ کو از حد زحمت ہوئی۔ وہ اللہ اس میں بالکل بے تصور ہوں۔ دھرم پور میں آپ کو تلاش کیا۔ سٹاڈر کی سڑک اور بڑی سڑک کے مقام اتصال پر طویل انتظار کیا۔ کالکا پہنچ کر دو تین مرتبہ آپ کے نام سے آپ کو پرسنل ٹیلیفون کیا۔ اور ایک نوٹہ ملنے کا اور دوسرے آپ کو اس قدر تکلیف دینے کا۔ ان دونوں باتوں کا انتہائی افسوس دل میں لے کر آیا۔ اللہ مجھے معاف کر دیکھے۔ میں از حد نادم ہوں کہ آپ جیسے مشفق کرم فرما کر اس قدر رنج پہنچایا۔ اور وہ بھی اس حالت میں کہ آپ میرے کام کے لئے اس قدر تکلیف اٹھا رہے تھے۔ میں نے اپنی طرف سے ہر ممکن احتیاط برتی۔ اور ہر پیش قدمی کی۔ لیکن میری بد قسمتی اور انتہائی بد قسمتی کہ بجائے اس کے کہ آپ کا شکریہ خود اپنی زباں سے آپ کی خدمت میں ادا کر سکتا۔ اُلٹا آپ کو پریشان کیا۔

میں کل ایک مفصل خط لکھ چکا ہوں۔ اب اپنے کسی کام یا
عرض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ کس منہ سے
آپ کو کہوں کہ آپ مجھے دل خود اعتناء سمجھئے۔ یہ حال اگر آپ جوگستانی
یا غفلت میری طرف سے سرزد ہوئی ہے۔ اس کے لئے مجھے معاف
کردیں۔ تو میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھوں گا۔

دوبارہ عرض کرتا ہوں کہ میں از حد تادم اور معافی کا ٹوا ستگار ہوں۔
میرا تصور میری بد قسمتی کے سوا کچھ نہیں اور آپ کی پریشانی کی کوئی قیمت میں ادا
نہیں کر سکتا۔ سوائے اپنے عجز و انکسار کے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف
نہے مکان کے پتہ پر لکھا کیجئے۔

خاکسار
بخاری

۳

۲۰۔ پرتھوی راج روڈ، نئی دہلی

برادر محترم!

سلام مسنون!

پے در پے آپ کو دق کر رہا ہوں۔ لیکن آج گرامی نامہ مورخہ
۵ جون ملا۔ اس میں ایک فقرہ آیا ہے کہ
”یہ حال اس معاملے میں آپ کی طرف سے جواب کا انتظار

ہوگا۔“

بمقتنا اس فقرے کے آج بھر آپ کی خدمت میں پیش
ہو رہا ہوں۔ واپسی کا مسئلہ اس وقت چھیڑنا اس لئے مناسب
معلوم نہیں ہوتا کہ

۱۔ گریڈ اور واپسی بیک وقت دو مسئلے سامنے آجانے
سے صاحب موصوت کو پریشانی ہوگی۔ اور ایک کے پیچھے دوسرا
بھی معرض خطر میں پڑ جائے گا۔

۲۔ اگر میں واپس نہ آؤں اور یہیں گریڈ مل جائے تو اس گریڈ میں
وہاں کوئی اور قائم مقام ہوگا۔ چنانچہ ایک کی بجائے دو آدمیوں
کا بھلا ہو جائے گا۔ اعلیٰ صاحب موصوت کو یہ شکل
زیادہ مرغوب ہوگی۔

۳۔ بعض کوالفٹ یہاں ایسے ہیں کہ اگر میں فی الحال کچھ عرصے
یہاں اور ٹھہر جاؤں تو غیر مناسب نہ ہوگا۔

۴۔ واپسی کا مسئلہ ہر وقت چھیڑا جاسکتا ہے۔ بلکہ واپسی کا
حق میرے پاس ہے۔ جب چاہوں واپس کر سکتا ہے۔ کوئی
مجھے روک نہیں سکتا۔ اور کسی سے اجازت لینے کی ضرورت
نہیں۔ جب واپسی کا موقع آئے گا۔ تو اس وقت اس مسئلے کو
بھی چھیڑا جاسکتا ہے۔ کہ کس عہدے پر واپس آؤں۔

۵۔ گریڈ کا مسئلہ جولائی کے شروع میں ختم ہو جانا چاہیے۔ اس
کے بعد اگر اکتوبر تک بھی واپسی کا سامان ہو گیا۔ تو جو مصالح
آپ کے پیش نظر ہیں ان کو گزرتہ نہ پیچھے گا۔

۶۔ فی الحال میری واپسی کی وجہ سے صاحب موصوت کو یقیناً

بعض دقتیں پیش آئیں گی۔ جن کی وجہ سے وہ پریشان ہوں گے۔
اور ان کی قوت فیصلہ تذبذب ہو جائے گی۔ کچھ عرصہ بعد حالات
میں زیادہ سہولت کی گنجائش ہوگی۔

ان سب باتوں پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر
پہنچا ہوں کہ فی الحال باقی سب باتوں سے قطع نظر کر کے گریڈ کے معاملے
کو پختہ اور بہت پختہ کر لینا چاہیے۔ اصلی چیز یہی ہے۔ واپسی
کا مسئلہ ایسا ہے کہ اسے ہر وقت اٹھایا جاسکتا ہے۔ جتنا کہ آج۔
البتہ آج اٹھانے سے گریڈ کے معاملے میں کچھ رکاوٹیں حاصل ہو
جائیں گی۔ اور ممکن ہے کہ غلط بحث کی رو میں اصل مقصد بھی بہہ جائے
چنانچہ میرا مشورہ بھی یہی ہے کہ آپ اپنی جانب سے گریڈ کی گفت و
شنید کو خاطر خواہ طور پر مختتم کر آئیے۔ واپسی کے مسئلے کو
ہلکے سے چھڑ دیکھئے۔ اور کہیے کہ اس پر انشاء اللہ تعالیٰ سر دیوں
میں مفصل بحث ہوگی۔ یا ایسی ہی کوئی بات کہہ دیکھئے۔ تاکہ
اس پر گفتگو کرنے کا حق بھی آئندہ کے لئے برقرار رہے اور گریڈ کا
کام فی الحال یکسوئی سے ہو جائے۔

جن مصالحوں کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ وہ بہت اہم ہیں اور یقین
مانئے کہ میں اس قدر خود غرض نہیں کہ مجھے ان کا بکثرت مصالحوں کے
کبھی خیال ہی نہ آیا ہو۔ لیکن میں نے اہل رائے سے جب
اچھی طرح مشورہ کر لیا۔ تو طریق کار وہی بہتر معلوم ہوا۔ جو میں
مرض کر چکا ہوں۔

جب صاحب موصوف سے آپ مل چکیں تو مجھے اس کے نتیجے

سے ضرور مطلع فرمائیں۔ کہ میں چشم براہ رہوں گا۔
 دھرم پور میں ملاقات نہ ہونے کا واقعہ عمر بھر کے لئے ایک لطیفہ
 بن کر رہ جاتا۔ بشرطیکہ اس میں مجھے ندامت کا احساس نہ ہوتا۔
 یہ حال جیسا آپ کی کوئی دور ہو جائے گی اور آپ بالکل معاف
 کر دیں گے۔ تو مجھے بھی اس واقعہ پر ہنسنے کی جرأت ہوگی۔ کیونکہ
 واقعہ فی الواقع مضمی کہ انگریز ہے۔ کہ دو عاقل و بالغ جو سو بھر کی غرض
 سے ایک دوسرے کے منتظر تھے۔ ایک دوسرے کو یاد چود تلاش کے
 نہ دیکھ سکے۔

زخود در جستجوئے تویش رفتم
 غبارم سرمہ چشم عاشقان را
 بندہ خاکسار
 بخاری

۹۔ اشوکا روڈ، نئی دہلی

۱۳ نومبر

برادر محترم سلام مستنون و تہنیتِ عید۔

گرامی نامہ ملا۔ جس نے مجھے منقطعے میں ڈال دیا۔ بیس فیصدی
 کا اضافہ تو غیر معمولی بات نہیں۔ جب خدمات مستفاری جائیں تو عموماً
 یہی ہوتا ہے۔ لیکن سوچتا ہوں کہ یہ ہو لیا تو بہر حال مستقبل کیا ہے۔
 بہت کچھ سوچنے کے بعد فیصلہ کیا تھا کہ وہ ایسی پرکاش کا تقرر ہونا

چاہیے۔ لیکن پوزیشن سامنے رکھ کر کام کرنا چاہیے۔ لیکن جو پوزیشن
اب آپ تے بیان کی ہے۔ اس سے تو مستقبل کے سبب دروازے
اغلباً بند ہو جائیں گے۔ نہ معلوم آپ تے اس پہلو پر غور
کیا یا نہیں۔ اس لئے قدرے تامل ہے۔ لیکن تامل کرتے ہوئے
بھی متامل ہوتا ہوں۔ کیونکہ آپ تے لکھا ہے کہ "تامل اربابِ نظر
کے لئے تکرار کا باعث ہوگا۔" اس فقرے سے کچھ خائف نہ کر دیا۔
اس کی تفصیل اگر

۱۔ آپ کر سکیں تو سوچنے میں آسانی ہوگی۔ اس کے لئے آپ کے مزید
خط کا منتظر ہوں۔

۲۔ کیا یہ صورت تو نہیں کہ واپسی پر میرا کہیں کھانا مشکل نظر آ رہا
ہے۔ (بجز اس کے کہ اوروں کو متزلزل کیا جائے) اس لئے
یہ بخورنا ہو رہی ہے؟

۳۔ علاوہ برآن اب تک سلیکشن گریڈ کا فیصلہ نہیں ہوا۔ اس
کا انتظار بااوقات مایوسی کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اس
لئے پہلے وہ بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

ان تینوں امور پر آپ روشنی ڈال سکیں۔ تو میں کچھ رائے بھی دے
سکوں۔ اور ضرورت ہو تو خود بھی آ جاؤں۔ گو ہفتہ التوار سے
پہلے آنا مشکل ہوگا۔ میں نے اپنا پتہ خط کی پیشانی پر لکھ دیا ہے۔ اسی پتہ
سے خط بھیجئے گا۔ تاکہ ملنے میں تاخیر نہ ہو۔ سلام شوق۔

خاکسار

بخاری

۵

- ۱۔ تیرے وعدے پر جیسے ہم الخ
 ۲۔ سالک بے مہر کو آتے دیکھا۔ میری بد قسمتی کہ آپ کا گھر رستے
 میں حائل تھا لے

بخاری

- ۳۔ آپ خط کا جواب ہمیشہ کسی ایسے کاغذ پر دیتے ہیں۔ جو انگریز
 لوگ حوائج ضروریہ کے سلسلے میں استعمال کرتے ہیں۔ ایسا

لے مراد یہ ہے کہ سالک اکیلے تھے۔ میرے ساتھ نہ تھا۔ دوسرے
 معنی ظاہر ہیں۔

لے بخاری صاحب اس زمانے میں بیڈن روڈ پر اس مکان میں رہتے
 تھے۔ جو شاہ ابوالمعالی والے چوک اور فلیمنگ روڈ والے
 چوک کے تقریباً وسط میں تھا۔ میں اس کے قریب رمضان بلڈنگ
 میں موجود قومی دواخانے کی بالائی منزل میں رہتا تھا۔ سالک صاحب
 بل روڈ پر مقیم تھے۔ بخاری صاحب اپنے مکان کے پیرآمدے
 میں بیٹھے تھے۔ دُور سے دیکھا کہ سالک صاحب آ رہے
 ہیں۔ لیکن وہ راستے میں میرے ہاں ٹھہر گئے۔

لے جو کچھ لکھنا ہوتا تھا۔ پنسل سے مضمون لکھنے کی سلیپوں پر لکھ
 دیتا تھا۔ بخاری صاحب کے نزدیک وہ کاغذ حوائج ضروریہ
 میں استعمال کا مستحق ٹھہرا۔

معلوم ہوتا ہے کہ آپ عظیم الفرستی کی وجہ سے بیت الخلاء
 میں بھی خط لکھتے رہتے ہیں۔ لہذا ایک سادہ کاغذ بھی ارسال
 خدمت ہے۔

لے تاکہ جواب اس پر لکھوں۔

صوفی غلام مصطفیٰ تہتم

کے نام

۱

نیویارک

غزیری دہجی!

سلام مسنون!

ابھی ابھی ایلیسی کا خط ملا۔ جس سے آپ کی اہلیہ جوہرہ کے انتقال کا علم ہوا۔ عین مصروفیت کا زمانہ ہے۔ اسمبلی کا اجلاس روزانہ ہوتا ہے۔ اجلاس گاہ ۲۵ میل دُور ہے۔ صبح جاتے ہیں۔ رات کے ساتھ لٹتے ہیں۔ یک لخت ارادہ کیا۔ کہ آپ کو تاروں۔ کسی زمانے میں تار مستعدی اور جذبہ فریابی کی علامت تھا۔ کاروبار کے سلسلے میں اتنے تاریکھے ہیں، کہ ان کی حقیقت کھل گئی ہے۔ کہ تار کاہلی اور اتمام حجت کی ایک ترکیب معلوم ہونے لگا ہے۔ اس لئے اس انوار (یعنی آج) کا انتظار کیا۔ تاکہ آپ کو خط لکھ سکوں۔ جو صدمہ آپ کو پہنچا ہے۔ اس کے متعلق میں کیا بات ایسی کہہ سکتا ہوں۔ جو پامال اور بے معنی نہ ہوگی۔ لیکن اتنا ضرور عرض کر دوں گا کہ ایک مرتبہ نہیں سو مرتبہ آپ کے گھر کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ آپ کی بے فکری، آپ کی ضیافتیں،

آپ کی مجلسیں انہی کی طفیل تھیں۔ نہ معلوم اب آپ پر کیا گزرے گی۔ یقیناً
 آپ کو بار بار ایک ایسا خلا محسوس ہوتا ہوگا۔ جس کو اب آپ کسی طرح
 ٹر نہیں کر سکتے۔ میری ہمدردی بے کار ہے۔ تاہم اگر اس سے آپ کا غم
 زدہ بھر بھی کم ہو جائے تو مجھے اطمینان ہوگا۔ خدا ان کو جو ار رحمت میں جگہ
 دے۔ اور خدا آپ کی زندگی کا انتظام آپ پر آسان کر دے مرنے والے
 مرجاتے ہیں۔ زندہ کا خیال نہیں کرتے۔

مہینہ بھر ہوا۔ میں نے مستوری سے ایک نادر لمحہ میں ایس کو ایک
 طویل خط لکھا تھا۔ خیال تھا۔ دوستوں کے دل کو اس سے دستک
 ہوگی۔ ایس سے کہا بھی تھا۔ کہ خطا جاباب میں نشر کر دیتا۔ اگر وہ آپ کی
 نظر سے گزرا ہے۔ تو میری زندگی کا نقشہ آپ کو معلوم ہوگا۔ نئے ملک میں
 گھریا کرنا خصوصاً اس عمر میں جب کہ عادتیں راسخ ہو چکی ہوں۔ اور دل کا
 درجہ حرارت تننرل پر ہو۔ ایک مہم ہے۔ بہر حال کچھ صورت بہولیت
 کی پیدا ہو گئی ہے۔ صحت کے متعلق تشویش رہی اور تشویش سے زیادہ مہر و
 یا انسان ڈاکٹروں کا ہو رہے۔ یا زندہ رہنے کی کوشش کرے۔ دونوں باتیں
 مشکل سے یکجا ہوتی ہیں۔ ڈاکٹروں کی گود میں بیٹھ رہنا زندگی نہیں۔

حمید الدین سے ایک مفصل ملاقات ہوئی تھی۔ لیکن اب یہ دو مہینے
 پرانی بات ہے۔ ذرا اسمیلی کا کام ہلکا ہو لے۔ تو پھر ان سے ان کے دل کا حال
 سنوں گا۔

آپ کو خطوں کی اتنی ضرورت نہ ہوگی۔ جتنی مجھے ہے۔ سالک کو میرا
 پیار اور سلام کہیے گا۔ انہیں بھی خط لکھنا ہے۔ ہو سکے تو مجھے کو ال ف
 سے آگاہ کیجئے۔ عابد، ہاشمی، تاثیر اور دیگر جاباب آج کل کس بحر

خاکسار

بخاری

۲

۱۷ اپریل ۱۹۵۸ء

صوفی میرے بھائی۔

ایلس فیض کی معرفت آپ کو شاید میرا پیغام پہنچا ہو۔ کہ مجھے یہاں اس سال کے دوران، ایک یونیورسٹی میں اردو زبان اور اردو ادب کی تاریخ و ارتقا پر چند لیکچر دینے ہیں۔ چاہتا ہوں۔ اس کے لئے مکمل تیاری کروں۔ اور آپ کی خدمت میں یوسیلہ ایلس یہ درخواست کی تھی کہ فی الحال ایسی کتابوں کی فہرست (تیس یا چالیس) بھیج دیجئے۔ جنہیں پڑھ لیتا جاہئے۔ ظاہر ہے کہ ان میں کلیات اساتذہ اور تنقید کی کتابیں (اردو اور انگریزی) سب شامل ہوں گی۔ چنانچہ آپ کی بھی فہرست مرتب کرتے وقت اس بات پر نگاہ رکھیے۔ جب یہ فہرست میرے پاس پہنچ جائے۔ تو دیکھوں گا کہ اس میں کون کون سی کتابیں یہاں موجود ہیں۔ باقی پاکستان سے منگوا لوں گا۔ فی الحال صرف فہرست کتب مطلوب ہے۔ جو آپ سے بہتر کوئی مرتب نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آپ اس مضمون کے ماہر بھی ہیں۔ اور مجھے دعویٰ ہے کہ میرے دوست بھی ہیں۔ امید ہے کہ یہ دو باتیں آپ کے ذہن پر غالب آئیں گی۔

آپ کے بغیر میں بالکل سیاں بے دست و پیا ہوں۔

لہذا عاجزانہ درخواست ہے کہ اس میں غفلت یا تاخیر نہ کیجئے مہنوں

ہوں گا۔ لاہور کے چند رنگین تارام ایک ایسا خواب ہے، جو محو ہونے میں
نہیں آتا۔ الحمد للہ کہ یہ دن نصیب ہوئے۔ ادرد ستوں کو بولتے تہستے دیکھ
لیا۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔

ندرت کو مرا سلام کہتے گا۔ (یہی نام تھا اس دل چپ اور گرم
دل خاتون جو ہوائی اڈے تک آئیں۔ اور جنہوں نے مجھے اپنے خلوص
سے نوازا۔)

میرا یہ پتہ کافی ہے۔ - میرا نام -

United Nations, New York U.S.A

خاکسار

بخاری

۳

نیویارک

۲۱ اکتوبر ۱۹۵۸ء

برادر عزیز

قلم میں وہ اثر کہاں سے لاؤں، جو آپ کے دل کو پگھلا دے۔ باوجود عاجزانہ منت
سماجت کے آپ کے خط سے محروم ہوں۔ نہ معلوم آپ کو کیا ہو گیا ہے؟
سکینہ کی تاریخ ادب اور مرزا عسکری کی اسی مضمون کی کتاب
کی اشد اور فوری ضرورت ہے۔ لیکن کسے لکھوں۔ سب سے زیادہ بھرپور
آپ پر تھا۔ لیکن آپ نے وہ چپ سلامی ہے کہ میں بے یس ہو گیا ہوں۔

خاکسار

بخاری

بنام اسید ہاشم رضا

یوتائیٹڈ ٹیشٹر۔ بگنر میرگت (پریس)
مشقی ویکٹری

سلام مسنون!

رومان سے ونیس اور ونیس سے پیرس پہنچ

گیا۔ یہاں سے لندن جاؤں گا اور وہاں سے ہفتے محشرے کے اندر
انشاء اللہ، نیویارک۔

وطن کا حج ہمیشہ مبارک ہوتا ہے۔ خواہ حالات تلخ یا باعث
تشویش ہی کیوں نہ ہوں۔ اب کے بھی یہی عالم تھا۔ اجاب سے مل کر
ایسا اطمینان ہوا کہ اب اونٹ کی طرح اسے کوہان میں برس دو برس
اٹھائے پھروں گا۔ اور تشنگی اس سے پردیس کے صحراؤں
میں بھجانا پھروں گا۔ اس مرتبہ آپ سے بھی ملاقات ہوگی۔ اپنی
خوش قسمتی پر ناز تھا۔ قدرے اپنی محرومی کا ماتم بھی کیا۔ کہ اس سے پہلے
آپ سے تیار کیوں حاصل نہ ہوا تھا۔ آپ جس اخلاق اور محبت سے
پیش آئے۔ اس کی دلکشی ذہن سے محو نہیں ہوتی۔ دو حرف

شکرِ یے کے لکھ رہا ہوں۔ قبول کیجئے۔

اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی

مجھے اپنا خادم سمجھئے۔ اور کوئی خدمت میرے لائق ہو۔ تو بلا

تامل ارشاد کیجئے۔ اپنی بیگم صاحبہ سے بھی میرا سلام کہئے گا۔

بندہ خاکسار

احمد شاہ بخاری

۲۳ نومبر ۱۹۵۲ء



سید امتیاز علی تاج

کے نام

۱

۲ نومبر

ڈیر امتیاز!

دسمبر کے آخر میں دو مہینے کی رخصت لوں گا۔ جو بیشتر دہلی میں اور باقی کسی پہاڑی مقام پر گزار دوں گا۔ یکم مارچ کو پرنسپل گورنمنٹ کالج کراچی لےنا ہے۔

جوں جوں واپسی کے دن قریب آتے جاتے ہیں۔ دل میں عجیب
امنگیں پیدا ہو رہی ہیں۔ بیجان کے اتنے سال تم سے وابستہ رہ کر
گزارے ہیں۔ کہ ہر امنگ کے ساتھ تم آپ ہی آپ دل میں چلے آتے
ہو۔ کبھی کبھی ڈرتا ہوں کہ تا معلوم اس درمیانی عرصہ میں طبیعتوں
کی آبدو ہوا یا لکل ہی نہ بدل گئی ہو۔ لیکن پھر سوچتا ہوں کہ
جوانی کے علاقے اور رستے کبھی ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور کبھی
تن جاتے ہیں۔ لیکن موت سے پہلے ٹوٹتے نہیں اور الحمد للہ کہ تم اور
میں ابھی موت سے بہت دور ہیں۔ اس امید کی بنا پر لاہور آئے کے

(سید)

خیال سے بجز مسرت کے اطمینان کے کوئی جذبہ دل میں نہیں اٹھتا۔
 تابستان کی طویل دوپہر میں اور زمستان کی طویل راتیں اور احباب
 کی طویل پرزہ گوئیاں پھر یاد آتی ہیں۔

بہت تھک گیا ہوں۔ گیارہ سال بجز بیماری کے ایک دن کی
 رخصت بھی نہیں لی۔ موسم گرما کی تین مہینے کی چھٹیاں اور دوستوں کی
 گرم محفلیں پھر بلا رہی ہیں۔ زبیدہ واپس جانے پر اتنی خوش ہیں
 کہ بیان نہیں کر سکتا۔ حجاب کو ہم دونوں کا سلام قبول ہو۔
 اور یاسمین کو پیار۔ کل حمید صاحب اور تاثیر صاحب سے
 ملاقات ہوئی۔ خدا شریا کی زندگی کو کامران بنائے۔ بہت سی
 باتیں کرنے کو دل چاہتا ہے۔ لیکن اب ان کے لئے کئی موقع نصیب
 ہوں گے۔ ۲۰ نومبر کو چند دن کے لئے شاید دورے پر
 بھی لاہور آجاؤں۔ کیا تم اس خط کے جواب میں خط
 لکھو گے؟

خاکسار
 بخاری

۲

یکم جون

یادش بخیر!

”درجینا“ ۳ جون شیپر کو دہلی سے ہو رہا ہے۔ رفیع پیر اور
 رشید خود پارٹ کر رہے ہیں۔ اس لئے عین آخری وقت میں

انہوں نے پروڈکشن میرے حوالے کر دی ہے۔ وقت تھوڑا ہے۔ مصروفیتیں زیادہ۔ اس لئے داؤفن کاری نہ دے سکوں گا۔ اس کا افسوس رہے گا۔ تاہم ایک آدھ بات آپ ضرور ایسی پائیں گے۔ کہ دل پڑمردہ نہ ہوگا۔ فرصت ہو تو سن لیجئے گا۔ اور مجھے اپنی رائے سے مطلع کیجئے گا۔ فرصت نہ ہو یا —

RECEPTION براہو۔ تو لکھ بھیجئے۔ تاکہ آپ کو ریکارڈ بھرا دیں۔ اور آپ کسی وقت لاہور اسٹوڈیو میں جا کر اسے سن لیں۔ مدت کے بعد کھیل کے سلسلے میں آپ سے پھر تعلق قائم ہوا۔ گو اس کی حقیقت بوسہ بہ پیغام جیسی ہے۔ تاہم پرانی یاد تازہ ہوئی اور دل کو جیسے کسی نے دستک دی۔ برسات میں دہلی آؤ گے؟ سالک اور تم دونوں آنے کا پروگرام بناؤ اور یہاں آکر راک پور کے شاہی بیچے کے آم کھاؤ۔

بخاری

۳

گورنمنٹ کالج لاہور

۱۰ جولائی

ڈیر اقتباز

نیویارک کو میں نے چارج۔ ارجون کو ہی لے لیا تھا۔ خیال تھا کہ اس کے بعد مہینے دو مہینے کے لئے لاہور آؤں گا۔ لیکن مہلت صرف پندرہ دن کی ملی۔ اس میں سے پانچ چھ دن کراچی میں ضائع ہو گئے۔ آتے ہی بیمار پڑ گیا۔ بالآخر پانچ جولائی کو لاہور پہنچا۔

اب پرسوں کراچی واپس چلا جاؤں گا۔ اور پندرہ جولائی کو وہاں سے انشاء اللہ نیویارک۔ پھر نہ معلوم کب مراجعت ہو۔ گھر کا سامان سب پیک ہو چکا ہے۔ بیشتر کراچی جائے گا۔ وہاں ایک مکان کا انتظام ہو گیا ہے۔ منصور وہاں رہے گا۔ اور زبیرہ بھی فی الحال وہیں رہیں گی۔ وہ بھی ہفتے عشرے تک کراچی چلی جائیں گی۔

اجیاب سے فرداً فرداً رخصت ہوں۔ آپ سے تاثیر صاحب سے ملاقات نہ ہو سکی۔ میں یہاں پہنچا۔ تو تاثیر ایک دن پہلے انگلستان روانہ ہو گئے تھے۔ اب آپ سے اور اجیاب سے نہ ملنے کا افسوس رہے گا۔ نہ معلوم پھر کب ملاقات ہو۔ میرے امتیاز امیر منصوے بدستور جاری ہیں۔ جانے سے پہلے آپ سے کئی باتیں کرنی تھیں۔ کہ اگر یہ کیا جائے تو کیسا ہو۔ اور وہ کیا جائے تو کیسا خیال ہے۔ چاہتا تھا۔ لاہور سے پھر کچھ تجدید عہد کرتا جاؤں۔ بڑے رنگین دن اور راتیں اس شہر میں اور ریلوے روڈ پر گزاری ہیں۔ لاہور چھوڑنے کا کچھ افسوس سا ہے۔ تیشفی کا پہلو صرف اتنا ہے کہ دو سال کی جہاں گوری کے بعد کہیں تو قیام ہوگا۔ میں سفر سے تنگ آ گیا ہوں۔ ٹکٹ، پاسپورٹ سوٹ کیس کا خیال آتے ہی وحشت ہونے لگتی ہے۔ لاہور میں جم کر بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ نہ توقع تھی کہ آئندہ ہوگا۔ یہ آخری لمحے یہاں اس طرح گزر رہے ہیں۔ کہ کچھ آپ ہی اسے سمجھ سکتے ہیں۔ یا آپ یا سالک باقی دنیا سے عشق میں نوارد بس۔ کہاں تک انہیں ہمراز بنائے۔ کون انہیں بتائے کہ دہلی مسلم ہوٹل کتاب زندگی میں کس مضمون کا ورق تھا۔ رحمت علی خان کا تھیٹر کیسا مردم خیز گوشہ حیات تھا۔

مچھلی کے شکار کا مولانا عبدالمجید خاں سالک کی روح پر کیا اثر
 پڑتا تھا حکیم احمد شجاع خشک ہو گئے۔ حفیظ جو بی مٹا کر جیتے جی
 ملکہ و کٹوریہ سے حاصل ہو گئے۔ یوں بھی مدت سے ان کا دین اور
 ان کی دنیا ہم سے الگ ہے "لو پھر بسنت آئی" کا زمانہ یاد کیجئے
 اور پھر الحمر میں ان کا شام بھر (رات بھر) نظمیں پڑھنا یہ اس
 کے مقابلے میں بیچ معلوم ہوتا ہے۔ باقی کون رہ گئے، آپ کے فلم
 یونٹ کا حال سنا۔ آپ ہوتے تو اس میں بطون مشیر کے دخل
 دیتا۔ مشیری میرا پورا پورا پیشہ ہے۔ آپ میرے پورا پورا گاہک
 ہیں۔ یہ کاروبار عادت ہو گیا ہے۔ اب نہ معلوم نشہ کیوں کر پورا ہو گا۔
 خلیفہ عبدالحکیم سے بھی خدا حافظ کہنے گیا معلوم ہوا۔ وہ مری چلے گئے
 ہیں۔ ان کا پتہ مجھے معلوم نہیں۔ ان کو میرا سلام اور پیار کہیے گا۔ بلکہ
 تکلیف کر کے ان سے بالخصوص مل لیجئے گا۔ (تکلیف کی تکلیف
 میر کی سیر بعض لوگوں نے میرے متعلق یہاں مجھ سے بدگمانی کا اظہار کیا۔
 سند میں خلیفہ عبدالحکیم کا نام لیا۔ کہ ان کی زبان معلوم ہوا ہے۔ نہ معلوم
 خلیفہ صاحب نے کیا غیر محتاط باتیں میرے متعلق کہی فہم آدمیوں کے
 حلقے میں کی ہیں۔ خلیفہ صاحب کو ذرا متنبہ کر دیکئے۔ ان کی دوست
 پر درمی پر شبہ نہیں مردم شناسی پر ضرور ہے۔ وہ بھی کج ہیں۔ اور
 کج فطرت لوگوں کی بدولت غلط فہمی کا شکار ہو چکے ہیں۔ میری
 طرف سے ان کے کلمے نوح کر ان سے کہیے۔ کہ برخوردار اب تم بڑے
 ہو گئے ہو۔ اگرچہ بادہ فرح بخشی و یاد گلیر است۔ بیانگ چنگ
 مخورے کہ محتسب تیز است۔ لوگ آج کل شرکار ستہ ڈھونڈ نکالنے

میں بڑے طاقتور ہیں۔ بات پیریاں تریاں کٹتی ہے۔
یونیورسٹی وغیرہ کے حالات جس قدر سننے اتنے ہی کم سمجھ
میں آئے۔ یہ حال اب اُمید ہے۔ اصلاح کے رستے لوگوں
کو سوجھیں گے۔

خط لکھنے کا شوق آپ کو مدت سے کم ہو رہا ہے۔ مجھے ابھی
باتی ہے۔ لیکن تحریک ہوتی چاہیے۔ سالک اس معاملے میں دناکش
ہیں۔ خط لکھتے ہی رہتے ہیں جن سے یہاں کی محفلوں کا پورا نقشہ کھینچ جاتا
ہے۔ انہیں جواب میں ضرور خط لکھتا ہوں۔ اگر آپ بھی کبھی کرم فرمائی
کریں۔ تو مجھے دُور افتادگی کا احساس کم ہوگا۔ یہ حال آپ کی خیریت
کی خیر ہمیشہ طماننت کا باعث ہوگی۔ حجاب سے میرا سلام کیلیے۔ اور
یا سحین کو میری جانب سے پیار۔ میرا پتہ نیویارک میں مختصر یہ ہے۔

PAKISTAN House NEW YORK U.S.A.

ہوائی اڈے سے خط بھیجتا ہنگا پڑتا ہے۔ لیکن اتنا کہ خط و کتابت کے
مانع ہو۔ والسلام

آپ کا مری کا پتہ معلوم نہ ہو سکا۔ لاہور کے پتہ پر خط بھیج رہا
ہوں۔ سنا ہے کہ آپ عنقریب آنے والے ہیں۔

خاکسار

بخاری

م

نیویارک

۲۵ اگست ۱۹۵۸ء

ڈیر اقیاز!

تمہارا خط ملا۔ تمہاری پریشانیوں کا حال پڑھ کر دل کو بہت
 صدمہ ہوا۔ یہ قدرت کی عجب قسم نظر لگتی ہے کہ تم جیسا انسان جس
 نے عمر بھر زندگی کے لطیف اور مرخجان مریخ پہلو ہی سے سروکار رکھا۔
 اور خاندان میں اپنے فرائض کو تندرہی سے سرانجام دیا۔ زمانے
 کے ہاتھوں یوں تکلیت اٹھائے۔ مجھ جیسا آدمی تو معلوم ہوتا ہے۔
 اپنی فطرت سے مجبور ہے۔ کہ وقتاً فوقتاً کسی کی مختصمت یا ایذا رسانی
 کا ہدف بنے۔ لیکن تمہارے حسن طبیعت اور حسن اخلاق کا صلہ یہ
 ہرگز نہیں کہ لوگ تمہاری مخالفت پر آمادہ ہوں۔ یا تم سے انصاف
 کرنے میں متامل ہوں۔

یہ دور ایسا ہے کہ اس میں دوستیوں اور رفاقتوں کے خون ہوتے
 ہی رہیں گے۔ شاید لوگ اس زمانے میں کسی ذہنی مرض میں مبتلا ہیں۔
 جس کی وجہ سے حرص و آز و بے مروتی سب باتوں پر غالب ہے۔
 خدا تمہیں تقویت دے۔ مجھے یقین ہے کہ تم اپنے علاو طبیعت اور
 اپنی بیوی اور بچی کی محبت اور رفاقت کی بدولت اپنی پریشانیوں پر غلبہ
 پاؤ گے۔ میں تمہارا ایک حقیر دوست ہوں۔ اور بے بس، اور دور افتادہ
 لیکن اگر میری محبت تمہارے کسی کام آسکتی ہے۔ تو یقین جانو کہ
 وہ تم سے نہ کبھی دریغ رکھ سکتی ہے۔ نہ رکھ سکتا ہوں۔ میں
 ایسا شخص نہیں۔ جسے باآسانی سلیم الطبع کہا جاسکے۔ میری
 کمزوریاں تم پر اور سب دوستوں پر واضح ہیں۔ کیونکہ تم سب کو

ان سے پالا پڑ چکا ہے۔ اور تم سب نے وقتاً فوقتاً بلکہ اکثر انہیں
 درگزر کیا ہے۔ لیکن میرا عمر بھر کا تجربہ اور خود میرا حجابِ طبیعت یہ کہتا
 ہے۔ کہ دنیا میں دوستی سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں۔ اس
 لئے کوئی دوست چھین جائے۔ یا نڈر ہو جائے۔ تو میں کئی راتیں اور کئی
 دن افسوس کا ماتم کرتا ہوں۔ افسوس کہ ہمارے دوست کم رہ گئے
 ہیں۔ تقریباً ہر ایک تفکرات یا ہوس کی گرداب میں آچکا ہے۔
 اور نکل نہیں سکتا۔ تاہم سالک جیسے لوگ مقتضاتِ روزگار میں
 سے ہیں۔ وہ تمہارے پاس نہ آئیں۔ تو تم ہی چلے جا یا کرو۔ اس
 سے غم غلط ہوگا۔ اور جو مصائب بہار سے نظر آتے ہیں۔ وہ اتنے
 صبر شکن معلوم نہ ہوں گے۔ فیض اور ایس بھی واپس آچکے
 ہوں گے۔ ملتار لوگ ہیں۔ اور ان کی بھت بھی مرہم کا کام دے گی۔
 سب سے بڑھ کر خدانے تمہیں نیک طینت اور رفاقت ہم بیوی
 عطالی ہے۔ اور ایک بچی جو یقیناً تمہاری بہترین امیدوں کا
 مجسمہ ہوگی۔ ان کی صحبت میں تفکرات کو بھول جاؤ۔ اگر ہمیشہ
 کے لئے نہیں تو کم از کم ہر روز چند گھنٹوں کے لئے ہی سہی۔ جو لوگ
 تمہیں اطمینان سے محروم کر رہے ہیں۔ غور سے دیکھیں۔ تو ان کو
 خود تم سے آدھا بھی اطمینان نصیب نہیں۔

کتابیں میں تے کتب فروش کی دکان پر منتخب کی تھیں۔
 اور ان ہی سے کہا تھا کہ پارسل بنا کر تمہارے پتہ پر بھیج دیں۔ یہی
 وجہ ہے۔ کہ ان کے ساتھ تمہیں کوئی خط یا پرزہ نہ ملا۔ بلیوں کی
 کتاب میں نے اسی خیال سے بھیجی تھی کہ شاید اس کا اردو میں ترجمہ

ہوسکے۔ اور ان بیسیوں کے کام آئے۔ جو بلیاں پالتی ہیں۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ خود حجاب ہی سب سے پہلے اس کی تدریج ہوگی۔

اس سال کے آخر تک یو۔ این۔ او سے کنارہ کش ہونے کا ارادہ ہے۔ کولمبیا یونیورسٹی نے پروفیسری کا وعدہ کر لیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک آدھ سبیل کچھ اور کرنی پڑے گی۔ ورنہ آمدنی میں جو کمی واقع ہوگی۔ اس کا سہارا نامشکل ہوگا۔ دو گھر چلانے پڑتے ہیں۔ ایک یہاں، ایک زبیدہ کے لئے کراچی میں۔ پھر کچھ ڈاکٹروں کی تندر بھی کرنا پڑتا ہے۔ اور یہاں کے ڈاکٹر قابل بھی۔ لیکن دنیا بھر سے زیادہ فیس لیتے ہیں۔ سالک صاحب کا خط آیا۔ انہوں نے اطمینان قلب کے لئے ترجمے کی راہ نکالی ہے۔ اور دھڑا دھڑا ترجمے کر رہے ہیں۔ از بس غنیمت ہے۔ ترجموں کے علاوہ موت کا خوف ان پر ضرورت سے زیادہ طاری رہتا ہے۔ شاید انہیں یہ احساس ہے۔ کہ زندگی سے جو کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ نہ ہوا۔ حالانکہ کم از کم ان کو یہ شکایت نہ ہونی چاہیے۔ آپ اور وہ دونوں ہمیشہ دوستوں اور سب دوستوں اور سب لوگوں کے منظور نظر رہتے ہیں۔ یہ بھی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ خدا آپ کو ہمیشہ ہمیشہ عزت و آبرو سے رکھے۔ کولمبیا میں مجھے اردو زبان پر بھی لیکچر دیئے ہیں۔ اس کے لئے کوئی کتاب میرے پاس یہاں نہیں۔ ضرورت پیش آئی تو کسی نکتہ رس دوست کی معرفت ایسی کتابیں فی الفور جمع کروں تاکہ دسمبر جنوری تک لیکچر تیار کر سکوں۔ صوفی تبسم ذہن میں آئے انہوں نے فہرست نو مرتب کی۔ لیکن کتابیں بھوانے کا کام مستوری سے انجام

ہو دے سکے۔ چنانچہ معاملہ ہمیں ان کے اور بک سیلر کے مابین
 لٹک رہا ہے۔ آپ مدد کر سکیں اور اس کے لئے فرصت نکال سکیں تو
 کیا کہئے۔ میں نے تو دانتہ آپ کو تکلیف نہ دی تھی۔ کہ آپ اپنے قصوں
 میں گرفتار ہوں گے۔ اردو افسانوں کا ترجمہ میں پھر بھی کرتا چاہتا ہوں۔
 بلکہ یہ میری زندگی کی بہت بڑی آرزو ہے۔ عبدالعظیم صاحب سے
 امید نہیں کہ وہ میری مدد کریں گے۔ آپ اور فیض صاحب خود ہی افسانوں
 کا انتخاب کر لیجئے۔ حجاب کو میرا سلام اور یاسمین کو میرا پیام پہنچے۔
 خط ضرور لکھتے رہا کیجئے۔

آپ کا خادم

بخاری

پاکستان ہاؤس نیویارک
 ۱۲ اگست

ڈیر امتیاز

تنہائیوں میں آپ اکثر یاد آئے۔ اور اس ایک سال کے عرصہ میں
 کئی تنہائیاں مجھ پر گذریں۔ لیکن پے در پے مصروفیتوں اور بیماریوں
 نے کئی شگفتہ ارادوں کو پرمردہ کر دیا۔ کبھی خط لکھنے کی نیت باندھی۔
 تو شروع کرنے کی نوبت نہ آئی۔ حال میں سالک صاحب کے
 دو تین خط آئے۔ ن۔ م۔ راشد نے کچھ ادبی لطیفے لکھ بھیجے۔ اور اردو
 کتابوں کا ایک بنڈل۔ ایسے ہی دو تین واقعات سے طبیعت کا رخ لوٹا۔

پرسوں آپ شدت سے یاد آئے۔ ایک کتب فروش کے
 ہاں دل پشادری کر رہا تھا۔ ملک راج اتند کی ایک تازہ تصنیف
 "انڈین تھیٹر، نظر آئی۔ بڑے طمطراق اور شان و شوکت سے چھپی ہے۔
 لیکن کتاب مختصر ہے۔ وہیں کھڑے کھڑے پڑھ لی۔ جہل اور مقصد کا
 ملعوبہ ہے۔ آندھرا تھیٹر اور تنگانی تھیٹر کو بہت سراہا ہے بہندوستانی
 تھیٹر کے تحت میں بہت کچھ زہرا گلا ہے۔ خواجہ احمد عباس
 اور پرتھوی راج کپور کو تھیٹر کا امام قرار دیا ہے۔ آغا شتر کے
 بارے میں از حد بخل، بغض اور پستی کا ثبوت دیا ہے۔ ان کا ذکر
 یوں کیا ہے کہ

*A Hack writer called Agha
 Hashy attended rate Poetaster*

اور اسی طرح کی خرافات یک کراہیں تین چار سطروں میں ٹرخا دیا
 ہے۔ پڑھ کر تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اسے کاش آپ
 اردو تھیٹر پر اب بھی ایک کتاب لکھ ڈالیں۔ جو مصالحو آپ کے
 پاس ہے اور جتنی جوانی آپ نے تھیٹر پر چھڑکی ہے۔ وہ کسی اور کو اب لاچار
 تک نصیب نہ ہوگی۔ کتاب اردو انگریزی دونوں میں چھپتی چاہیے۔
 نیویارک اور لاہور میں جو بچے ہیں۔ وہ نہ معلوم کب تک رہے گا۔
 لیکن مجھے اس کام میں شریک کرنے کا ارادہ ہو تو یہ بچہ پھاندا جاسکتا
 ہے۔ جب تک زندگی ہے کوئی کام محال نہیں۔ البتہ موت رستے میں
 حائل ہوگی تو اسے کوئی نہ پھاند سکے گا۔ لیکن ایک شرکت کا کام مشکل
 معلوم ہوتا ہو۔ تو آپ کم از کم خود ہی اللہ کا نام لے کر اردو کی کتاب لکھ
 ڈالئے۔ آپ کا وسیع تجربہ اور علم تو آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ

ہو جائے گا۔ در نہ تھیٹر کا یہ دور ہمیشہ کے لئے یاد سے محو ہو جائے گا۔ ایسے آثار بھی باقی نہ رہیں گے کہ ہزار سال کے بعد موہنجودارو کی شکل میں دریافت ہو سکیں۔

لاہور کے حالات سے محض بے خبر ہوں۔ ایتھہ سالک صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ وہ ادینی گہا، کھی اب نہیں۔ نہ معلوم سالک صاحب، سحرت کے بعد لاہور سے بے تعلق ہو گئے ہیں۔ یا دورِ زمانہ سے رنگینی کو ان کی آنکھوں سے اوجھل کر دیا ہے۔ بہر حال لاہور ہم سب کا معشوق ہے۔ اور مرتے دم تک معشوق رہے گا۔ ہماری جوانی اس سے ہے۔ اور کبھی کبھی شباب کے غم سے میں یہ بھی گمان ہوتا تھا۔ کہ اس کی جوانی ہم سے ہے۔ دیارِ محبوب کی ہر خیر طبیعت میں ایک طلاطم پیدا کر دیتی ہے۔ اور کوئی خیر تلاءے تو زندگی ایک مسلسل فراق معلوم ہوتی ہے۔ ہندوستان سے جو تناؤ ہے۔ اس کی اطلاع ہمیں محض سرکاری ذرائع سے پہنچتی ہے۔ اور تفصیلات کے لئے طبیعت آئینہ رہتی ہے۔ اور اکثر متفکر

خدا ہم لوگوں کا حامی

و ناصر ہو۔ یہاں کے کالم نویس اور سیاست داں بیش از بیش پاکستان کی ہمت اور حق بینی کے معترف ہوتے جاتے ہیں۔ اور پاکستانی لیڈروں کے تدبیر اور تدبیر کے قائل۔ لیکن کوئی خدا سب اپنا اپنا لؤ
کا بندہ

سیدھا کرتے ہیں۔

بڑے بڑے فلم دیکھنے میں آئے اور اکثر غائبانہ آپ کو
تھیٹر اور سینما میں اپنے ساتھ لے گیا۔ اور آپ سے تبادلہ خیالات کرتا
رہا۔ لیکن طبیعت کو اس سے کیا تسکین ہوتی۔ ہندوستان کے متعلق
ایک بڑے ٹھاٹھ کا فلم "The River" ستمبر میں یہاں آنے
والا ہے "Jean Renoir" نے اسے ڈائریکٹ کیا ہے۔
ہندوستان کی سرزمین میں بنا ہے۔ اور ایکٹو امریکن انگریز اور ہندوستانی
ہیں۔ زوروں کی پیلٹی، مور ہی ہے۔ پاکستان کے "دستاویزی"
فلم بہت تھوڑے ہیں اور اچھے نہیں۔ اس بارے میں بہت کچھ کہہ سکتا
ہوں۔ لیکن پھر کبھی لکھوں گا۔ فلم زنگ آلودہ ہے۔ آپ کی جانب
سے کوئی خط آئے۔ تو طبیعت کچھ شگفتہ ہو جائے گی۔ حجاب کو میرا
سلام شوق، یا سہمن کو پیار۔

خیر و بہبود کا طالب خاکسار
بخاری

۶

نیویارک
۱۱ مئی ۱۹۵۸ء

ڈیر امتیاز!

واپس پہنچنے کے چند دن بعد آپ کو ایک خط لکھا تھا۔ جو ہر چند کہ
جواب طلب نہ تھا۔ تاہم بتقاضائے عشق جواب کا منتظر رہا۔ لیکن اب

تک آپ کے خط سے محروم ہوں۔ خیال تھا کہ آپ اپنے ادبی عزائم کے متعلق مزید کچھ بتائیں گے۔ کیا ادھیڑا کیا بنا۔ دو ایک کتابیں بھی آپ کو بھجوائی تھیں۔ بہت اچھی نہ تھیں۔ لیکن میری دفا شعاری کا ثبوت ضرور ان سے ملا ہوگا۔ افسوس کہ کتابیں بھجورا سمندر کی ڈاک سے بھجوانی پڑتی ہیں۔ ہوائی ڈاک سے بھجوائیے تو پانچ ڈالر کی کتاب پر کم و بیش اتنا ہی خرچ آئے۔ جیب اجازت دے تو عقل اجازت نہیں دیتی۔ میتھ (MYTH) کے آغاز کے بارے میں میں نے اپنے ماہر دوستوں سے کہا۔ کہ بھائی دو صفحے لکھ دو۔ وہ ضرورت سے زیادہ ماہر نکلے۔ سب کہتے ہیں کہ اس کے متعلق تو کئی نظریے ہیں۔ میں فلاں کا قائل ہوں۔ اور فلاں تو اس بارے میں بد معاش آدمی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ آخر فیصلہ کیا ہے کہ ان سے پوچھ پانچھ کے میں خود ہی کچھ گھسیٹ لوں گا۔ اگلے ہفتے آپ کو ایک کتاب (بزرگ سمندر کی ڈاک) اتنا اللہ بھجواؤں گا۔ حال ہی میں نکلی ہے۔ اس کا نام ہے "نظریہ" یعنی "EVIL EYE" ایک ماہر چشم ڈاکٹر نے لکھی ہے۔ اور اس کی آنکھ اور نظر کے متعلق جو جو تو سمات لوگوں میں مردح ہیں۔ انہیں یکجا کر دیا ہے۔ "نظریہ" بھی ان میں سے ایک ہے۔ اور اس کی تاریخ بھی مختصر طور پر لکھ دی ہے۔ کئی باتیں طبی نقطہ نظر سے مفید اور اٹو کھی ہیں۔ مثلاً عام خیال ہے۔ کہ بہت پڑھنے سے یا باریک لکھائی پڑھنے سے نظر پر زور پڑتا ہے۔ اور آنکھیں خراب ہو جاتی ہیں۔ مصنف نے صاف صاف بیان کیا ہے۔ کہ یہ غلط ہے اور اس وہم کا ڈاکٹری میں کوئی جواز نہیں ملتا۔ کتاب کا ثانوی عنوان ہے۔ S TUDIE

IN THE FOLK LORE OF VISION—

میرا خیال ہے۔ اس کتاب کا اردو میں ترجمہ یا خلاصہ بے حد مفید ثابت ہوگا۔ باقی کتاب پہنچنے پر آپ خود اندازہ لگائیے۔

مجھے اس سال موسم خزاں میں ایک یونیورسٹی میں پختہ لیکچر اردو زبان و ادب کی تاریخ پر دینے ہیں۔ صوتی تبسم سے بوساطت ایلس فیض (کیونکہ صوتی صاحب تو خود گل محمد تبسم کے انسان ہیں) مناسب مفید کتابوں کی (انگریزی اردو دونوں) فہرست منگوائی بھی ہے۔ وہ آنے پر دیکھوں گا۔ کہ کون سی کتابیں میرے پاس موجود ہیں۔ چونکہ ہوں گی وہ پاکستان سے منگواؤں گا اور غالباً اس میں آپ کی دستگیری کی ضرورت بھی ہوگی۔ امید ہے دریغ نہ رکھیں گے۔ کہیے وہ افسانوں کے ترجموں کا منصوبہ جو آپ کے مکان پر بعد طعام یا نہ صا گیا۔ اور جس میں مجلس اقبال کو عموماً اور آپ کو خصوصاً پہل کرنی تھی۔ اس کا کیا ہوا۔ لاہور سے چلا آیا۔ تو اس کے بعد صدائے برنخاست۔ کچھ اس پر بھی روشنی ڈالئے۔ میں بے چینی سے اس کا منتظر ہوں۔

چند ہفتوں کی بات ہے۔ میں ایک لٹچ کے موقعے پر سرسرام ایک لخت بے ہوش ہو گیا۔ اس کے بعد ایک مرتبہ پھر یہی واقعہ پیش آیا۔ اچھے اچھے ڈاکٹروں کو دکھایا۔ خاطر خواہ علاج جاری ہے۔ لیکن کچھ ٹھیک تشخیص نہیں ہو سکی۔ کیونکہ دل وغیرہ بالکل درست ہیں۔ کام اور تفکرات کی کثرت کو مجرم ٹھہراتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ہملٹ کی بے ہوشی کے اسباب مفسرین میں متنازعہ فیہ ہیں۔ ہماری بے ہوشی بھی آنے والی تسلوں کے لئے مبہم رہے گی۔ لیکن حد

ہو گئی۔ میں سمجھتا تھا کہ "غشش کھانا" وغیرہ داستاؤں کے ساتھ ختم ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ اس رسم کے زندہ رکھنے والے ابھی باقی ہیں۔

سالک، فیض، صوفی ان تینوں کو جب ملیں میرا سلام کہیے گا۔ پختائی صاحب کے ہم کلام ہونے کا موقعہ نکلے تو ان سے کہیے کہ وہ مجھے فوراً خط لکھیں۔ کہ ان کے یہاں آئے ہیں کیا رکاوٹ پیش آئی۔ خلیفہ صاحب ملیں تو ا۔ ن۔ گ۔ ل۔ ی کر دیکھئے گا۔ ہاں بھائی آغا بشیر اور رفیع پیر کو بھی سلام کہیے گا۔ حجاب، یاسمین کو میرا سلام دپیار۔

خاکسار

بخاری

بنام عبدالرحمن چغتائی

محترم بندہ جناب چغتائی صاحب
سلام مسنون!

سر عبدالقادر (اور بعد ازاں لیڈی عبدالقادر) نے بہت تاکید کے ساتھ "کارواں" منگوا بھیجا ہے۔ اور مجھے ہدایت کی ہے۔ کہ میں آپ سے درخواست کروں۔ کیا آپ انہیں "کارواں" کی ایک جلد بہت جلد بھجوا سکتے ہیں۔

خاکسار

بخاری

اور اگر ناگوار نہ ہو تو "مرقع چغتائی" کی کوئی بچی کھی جلد مجھے اپنے لئے بھی چاہیے۔ کیا ہمیں سے مل جائے گی؟

۱۳۔ تعلق روڈ، نئی دہلی

۱۱ اکتوبر

مشفی و مکرری چغتائی صاحب!

(خط)

سلام مسنون! افسوس کہ لاہور میں آپ کی ملاقات سے محروم رہا۔ معلوم ہوا آپ شکار کو تشریف لے گئے تھے۔

واپسی پر ایک خط ملا۔ جو بعینہ ارسال خدمت ہے۔ خط کے دو حصے ہیں۔ ایک آپ کے نام۔ دونوں بھیج رہا ہوں۔ مطلب آپ پر خود ہی ظاہر ہو جائے گا۔ مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ لکھنے والے یعنی.....
 "EVERLYWOOD" صاحب آج کل واٹر تھا مپسن کمیٹی میں ملازم ہیں۔ جو "ADVERTISING" کمپنی ہے۔ اور آرٹ کے لفظ نظر سے اپنی پلسٹی کو ہر وقت دلکش بنانے کے درپے رہتی ہے۔ "WOOD" صاحب بہت پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ لٹریچر اور مصوری دونوں کے طالب علم اور نقاد ہیں۔ اور آپ کے معترف اور مداح معلوم ہوتے ہیں۔ آج کل کلکتہ میں ہیں۔ لیکن اس سے پہلے ساہیا سال بھی میں تھے۔ یہی ان کا روزگار تھا۔ علاوہ برآں بھی کے اہل فن میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ اور اکثر تصویروں کی نمائش میں کھنڈال والا، مسر دار یا اور اس قسم کے لوگوں کے ساتھ شریک رہتے تھے۔ جو جواب آپ ان کو بھیجنا چاہیں۔ وہ خواہ براہ راست ان کو بھیج دیں یا میری معرفت۔

بندہ خاکسار

بخاری

۳

۱۳۔ تعلق روڈ۔ نئی دہلی

۱۹ اکتوبر

مشفق چغتائی صاحب!

سلام مسنون! گرامی نامے کا شکریہ۔ آپ کے خط آنے پر میں نے
 ڈرڈ صاحب کو لکھ دیا ہے۔ مزید گفت و شنید وہ غالباً براہ راست
 آپ سے کریں گے۔ کوئی خدمت میرے لائق ہو۔ تو یہ خیر خواہ دیرینہ کوتاہی
 نہ کرے گا۔ لچنگ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ کے نقش کئے ہوئے
 لیمپ شیڈ اب تک میرے مکان بلکہ میری زندگی کی زینت ہیں۔
 اور میں ان کا ذکر ہمیشہ فخریہ کرتا ہوں۔ اور آپ کو دعا دیتا ہوں فلم لائسنس
 کا معاملہ میں سے سنا بہت ٹھیک تھا اور وقت طلب ہے۔ ملاقات
 ہوتی تو تفصیلاً عرض کرتا۔

خاکسار
 بخاری

م

۲۶۔ جیل روڈ
 ۱۸ اگست ۱۹۳۲ء

مشفق من جناب چغتائی صاحب

سلام مسنون! بیگم سراج الدین صاحبہ کا جواب آگیا ہے۔ ان

کا لفظی ترجمہ یہ ہے :-

”آپ کے خط کا شکریہ۔ یہ آپ کی بڑی نوازش ہوگی۔ کہ آپ مجھ پر اس
 قدر اعتماد رکھتے ہیں۔ چغتائی صاحب سے کہہ دیجئے۔ کہ میں ان کی بھی یہ حد
 ممنون ہوں۔ کہ وہ باوجود اس امر کے کہ فن کے متعلق میرا علم بہت محدود ہے۔

وہ اپنی کتاب کی تمہید مجھ سے لکھوانا چاہتے ہیں۔ میں اپنے آپ کو بہت مفتخر سمجھتی ہوں۔ اور کوشش کروں گی۔ کہ ان کے کمال کی کا حقہ داد تحسین دے سکوں۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ زیادہ سے زیادہ کتنے دن کی مہلت مجھے دی جائے گی۔ علاوہ برآں مجھے "مرقع" کی جلد بھجوادیکھئے۔ کیونکہ میرا نسخہ میرے پاس موجود نہیں۔

آپ ان کو ٹی ایڈریشن مرقع کی (یعنی جس شکل میں اب آپ اسے شائع کرنا چاہتے ہیں) بھجوادیکھئے۔ عبدالرحیم صاحب وہ مجموعہ میرے پاس لائے تھے۔ جس میں صفحے دیباچے کی خالی جگہیں چھٹے ہوئے تھے۔ وہ بیگم سراج الدین صاحب کو بھجوادیکھئے۔ اس کے علاوہ میرا مشورہ یہ ہے۔ کہ پہلی ایڈریشن کے دیباچے (یعنی کتر نر صاحب اور ڈاکٹر اقبال کے مقالے) بھی انہیں بھیج دیکھئے۔ تاکہ وہ ان کے پیش نظر رہیں کہ پہلے کیا کچھ کہا جا چکا ہے۔ اگر اس دوران میں آپ کے مرقع پر اخبارات یا رسائل میں کہیں کوئی ریویو چھپا ہو اور اس کا نقل آپ کے پاس موجود ہو تو وہ بھی بھیج دیکھئے۔ ایسی چیزوں سے اغلباً ان کو مدد ملے گی۔

دیگر سوالات کا جواب یا براہ راست آپ ان کو بھیج دیکھئے یا جیسا مجھے حکم کریں۔ میں ہر خدمت کے لئے تیار ہوں۔ (ان کا پتہ گریڈ ہوٹل شملہ ہے)۔ افسوس ہے کہ آج شام آپ کھانے پر نہ آسکے۔ متعدد دوستوں کی ملاقات تھی۔ لیکن جس کسی نے مجھ سے تقریباً پوچھی۔ میں نے یہی کہا کہ "نقشِ چغتائی" کے شائع ہونے پر سترت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ خیال تھا کہ آپ آئیں گے۔ تو آپ کو اصحاب کی طرف سے مبارکباد پیش کی جائے گی۔ خیر میری ایک شکایت آپ کے خلاف رہی۔ آپ اسے یاد رکھیے۔ اگر آپ اپنے

بھائی کی روانگی کا عذر پیش نہ کر چکے ہوتے تو میں شام کو باوجود آپ کے
 انکار کے خود آپ کو جا کر لے آتا۔ آپ کے نہ آنے سے دوستی بہت
 مایوس ہوئے۔ ہم لوگ، یعنی خاکسار، سالک صاحب، حفیظ صاحب،
 سری چند اختر صاحب، جنگل صاحب، چراغ حسن حسرت صاحب یعنی جو
 لوگ کل یہاں جمع تھے۔ وہ بقول آپ کے اس قابل تو نہیں کہ آپ کے
 آرٹ کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔ لیکن آپ کے مقتدا اور نیاز مند ضرور ہیں۔
 ہمارا دل نہ توڑا کیجئے۔

آپ کا عزم انگلستان آپ کو مبارک ہو۔ میں نے بیگم سراج الدین
 کو لکھ دیا تھا۔ کہ تمہارا ایسی ہوتی چاہیے کہ انگلستان میں نقادان کی بدولت
 چغتائی صاحب کے فن کی قدر کرنا سیکھیں۔ تاکہ آئندہ قدر دانی کے لئے
 راستہ صاف ہو۔ امید ہے وہ کیا لکھتی ہیں۔ میں جواب کا مستطرب ہوں گا۔

خاکسار

بخاری

پاکستان ہاؤس

۱۲۔ ایسٹ، ۶۵ سٹریٹ۔ نیویارک (یو۔ ایس۔ اے)

۲۵ اپریل ۱۹۵۳ء

مشفق جناب چغتائی صاحب!

سلام مسنون! گرامی نامہ ملا۔ پھائی آپ کو ایسے سوالات پوچھنے
 کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ جب تک میں یہاں ہوں۔ آپ یہ سمجھیے کہ

گویا آپ خود یہاں ہیں۔ جو خدمت میرے لائق ہے۔ بلاتا مل فرما دیا کھینے۔
 مسودہ ضرور بھیجئے۔ کم از کم دیکھ لو لوں۔ اس ملک میں کسی بھی مسودے کو خواہ
 وہ کتاب کا ہو، فلم کا یا ریڈیو کا یا ٹیلی ویژن کا منزل مقصود کسی پہنچاتا سادک بیابا
 یا حملہ یورپ کے انتظامات سے کم نہیں ہوتا۔ ہزاروں (MIDDLE MEN)
 مشاطگی کے رشتے رو کے بیٹھے رہتے ہیں۔ جہاں کروڑوں کا ہیر پھیر ہو اور ہر
 ڈنگل میں چھوٹے بڑے پہلوان زور آزمائی کر رہے ہوں۔ وہاں علم و فن،
 علم و فن نہیں محض بزنس بن جاتا ہے۔ اور بزنس کے ہی طریقوں پر چلتا
 ہے۔ تاہم آپ کی تجویز سے دماغ کو گدگدی ہوئی۔ فلم کا مرکز نیویارک
 نہیں۔ کیلیفورنیا (یعنی ہالی وڈ) ہے۔ لیکن آپ مسودے کو بھیجئے۔
 ہرگز نہیں تو اس سے روشن ہوں۔ اس کے بعد کاری کر لوگوں سے مشورہ
 کروں گا۔ اور نشیب و فراز سے آپ کو مطلع کرتا رہوں گا۔

لاہور کا قیام از حد مختصر تھا۔ جہاں برسوں تک شباب رنگیں کیا ہو۔
 اور بڑھاپے کو بھی شباب دیا ہو۔ وہاں دل کی تشنگی ہفتے عشرے میں کیا
 بچھتی۔ لیکن قسمت پر نازان ہوا۔ کہ اجاب کی صحبت میں مسرت بلکہ نشے
 کی چند گھڑیاں تو گزار لیں آپ سے ساہمساں دل کا سودا رہا ہے۔ آپ کی محبت
 اور اخلاص برسوں سے آپ کا جزو تھیں۔ اور میں۔ اللہ الحمد کہ آپ سے
 مل گیا اور آپ کی محبت اور آپ کے کرم سے دوبارہ فیض یاب ہوا۔ واپس آکر
 امتیاز صاحب سے دو ایک تھپیوں کا تبادلہ ہوا۔ اس کے بعد پنجاب میں فساد
 نمودار ہوئے۔ تو سلسلہ قدرے رُک گیا۔ وہ ملیں تو انہیں میرا سلام کہئے گا۔
 ہاشمی صاحب کا بھی ایک بہت محبت آمیز خط ملا۔ ابھی انہیں جواب نہیں
 لکھا۔ انہیں بھی میرا سلام پہنچا دیجئے گا۔ اور کس کس کا ذکر کروں۔ پورے

گلزار کو حسرت و عشق کا پیغام پہنچانا ہو تو کہاں تک ایک پھول کا نام لوں۔
 جو ملے ان سے کیلئے کہ غریب الوطن سلام کہتا ہے۔
 جو پتہ اس خط کی پیشانی پر لکھا ہے۔ اسے کہیں لوٹ کر لیجئے۔ تاکہ آئندہ
 میں لکھنا بھول جاؤں تو آپ کو تشویش نہ ہو۔

بتدرہ خاکسار

بخاری

۶

نیویارک

۱۲ جنوری ۱۹۵۲ء

مشفق جناب چغتائی صاحب

سلام مسنون! بھائی آپ کی شکایت بجا ہے۔ مجھ سے سہ ہوا۔
 کہ میں نے مسودے کی رسید آپ کو فوراً نہ بھیجی۔ آپ کو یقیناً تشویش رہی
 ہوگی۔ آپ کو شاید معلوم نہ ہو کہ میں آخر اگست میں سمیت بیمار پڑ گیا۔ دو
 ہفتے مسلسل بے ہوشی اور نیم بے ہوشی کے عالم میں رہا۔ آٹھ ہفتے
 ہسپتال میں اور اس کے بعد دو مہینے گھر پر صاحب فرانس رہا۔ نقاہت
 کے عالم میں بھی کام سے مخلصی نہ ہوئی۔ لیکن مصروفیت کو ضروریات تک محدود
 رکھا۔ اس عرصے میں آپ کا مسودہ پہنچا۔ نہ معلوم ترجمے کے لئے ہمت
 کب نصیب ہو۔ کوشش کر رہا ہوں۔ کہ ہو سکے تو فردی مارچ میں کبھی
 پاکستان کا ایک چکر لگاؤں۔ اس شدید بیماری کے بعد اپریل و مئیال مجھ
 سے اور میں ان سے ملنے کو بے قرار ہوں۔ موت و ذلیت کا کسی کو علم نہیں۔

اگر آنا نصیب میں ہوا۔ تو خوب باتیں ہوں گی۔

آپ کے افسانے میں کئی جڑتیں ہیں۔ جنہیں پڑھ کر بہت لطف آیا۔ اور ذہن کو گنگری ہوئی۔ میں نے ایک دو قلم باز دوستوں سے ذکر کیا۔ اور اس کے چند حصے بھی ان کو سنائے۔ وہ کہتے تھے۔ کہ کوئی **EXPERIMENTAL GROUP** سے قلمائے۔ تو بہتر ہو۔
 ورنہ تاجرانہ کمپنیوں کے بس کا تو یہ روگ معلوم نہیں ہوتا۔ آج کل فلم کمپنیاں عجیب مشکل میں ہیں۔ آمدنی سرعت سے کم ہو رہی ہے۔ بڑی طرح ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ اکثر ایک ٹریڈ فلموں کو چھوڑ کر ریڈیو اور ٹیلی ویژن میں ملازم ہو رہے ہیں۔ مزید سعی کروں گا اور آپ کو اس سے آگاہ رکھوں گا۔
 اس دوران میں کیا یہ بہتر نہ ہو گا۔ کہ آپ سیناریو کو بعینہ اسی طرح کسی اردو ادبی رسالے میں چھپوا دیں؟ میں نے اکثر سیناریو انگریزی رسالوں میں چھپتے دیکھے ہیں۔ اور لوگ انہیں شوق سے پڑھتے ہیں۔ اپنے بہوطنوں کے لئے یہ ایک نئی چیز ہوگی اور اس کا سہرا آپ کے سر رہے گا۔ علاوہ برآں کا پی ریٹ بھی محفوظ ہو جائے گا۔ کہئے کیا خیال ہے؟

خالکسار

بخاری

۷

۱۶ جون ۱۹۵۳ء

شفیق جناب چغتائی صاحب

سلام منون! آپ کی تصاویر کو یو۔ این میں آڈیزاں کرنے کی

رسم چند دن ہوئے بڑے ٹھاٹھ سے ادا کی گئی ہماری سفارت کا سب
 عملہ نترہ تمام پاکستانی جو یو۔ این میں ملازم ہیں۔ اور اخباروں کے نمائندے
 اور فوٹو گرافر وغیرہ سب جمع تھے۔ میں نے مناسب الفاظ میں آپ کی
 تعریف و تحسین سے اپنی زبان کو فخر بخشا۔ سیکرٹری جنرل نے جو خود آرٹ
 کے بڑے ماسٹر ہیں۔ آپ کے فن کو سراہا۔ تصویریں یو۔ این کے ڈائٹنگ روم
 میں آویزاں کی گئی ہیں۔ اور یہ موقع اور محل ان کے لئے بہت تک و دو کے بعد
 حاصل کیا گیا۔ کیونکہ ہر قوم کے نمائندے نے اپنے ملک کی ناموری کی خاطر
 کوئی نہ کوئی تحفہ بھیج رکھا ہے۔ اور ہر ایک کی خواہش اور کوشش یہی ہے۔ کہ سب
 سے نمایاں جگہ اس کو حاصل ہو۔ ڈائٹنگ روم پر سب کی نگاہ تھی۔ کیونکہ یہاں
 نہ صرف ڈیلیگیٹ اور سیاست دان ہر روز کھانا کھانے آتے ہیں۔ بلکہ
 سیاح بھی جن کی تعداد ہر روزانہ دو تین ہزار سے کم نہیں۔ یہیں رتوخ کرتے
 ہیں۔ جس دیوار پر تصاویر لٹکانی گئی ہیں۔ اس کا رنگ ہلکا سہری سا ہے۔
 کوشش کر رہا ہوں۔ کہ دیوار کا رنگ ہی سیاہی مائل کر دیا جائے تاکہ آپ
 کی تصاویر کے رنگ خوب اچھی طرح ابھر آئیں۔

آپ کی ٹکٹوں کے خاکے بھی پہنچے اور حسب ارشاد محکمہ متعلقہ کو
 بھجوا دیئے گئے ہیں۔ آپ کی تصاویر کی نمائش کا خیال ایک دن بھی
 میرے دل سے محو نہیں ہوا۔ لیکن کچھ تو ارشاد ہو کہ کیا حکومت پاکستان تصاویر
 کو لانے لے جانے اور دیگر اخراجات کی کفیل ہوگی۔ ذرا یہ اندازہ ہو جائے تو
 ہم اس پار کوشش بھی کریں۔ ورنہ وہ نہ ہو کہ مدعی سست اور گواہ چست۔
 حسرت صاحب کی بیماری اور پھر صحت یابی کی خبر ملی۔ جذبات
 نے اس بارے میں عجیب نشیب و فراز دیکھا۔ اللہ کا شکر ہے۔ کہ اب

وہ پھر جوان ہیں۔ بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ کافی ہاؤس کی رونق اب پھر ان سے چوگنی ہو گئی ہے۔ خدرا انہیں چمکتا اور مہکتا رکھے۔ سالک پھر لاہور آگئے۔ سب اجباب کو مبارک ہو۔ البتہ سنتا ہوں کہ ہاشمی صاحب کراچی ہجرت کر جائیں گے۔ امتیاز کو میرا بہت بہت سلام اور پیار۔ کبھی صوفی ملیں تو ان سے کہیے کہ دو گھونٹ میری یاد میں بھی پی لیں۔ کبھی کبھی خط بھی لکھنے کے روادار نہیں اور ہم ہیں کہ ہر راہگزر سے ان کا ذکر فخر سے کرتے ہیں۔ اور ان کی خیریت بے قرار ہو کر پوچھتے ہیں۔ خدا آپ سب کو خوش رکھے۔ اکتوبر میں وطن آنے کا ارادہ ہے۔ انشاء اللہ۔

خاکسار
بخاری

بنام حکیم یوسف حسن

محترم بندہ جناب حکیم صاحب!

سلام مسنون! آپ کا خط ملا۔ گویا یاد آوری سلام دوستائی کے سلسلے میں تھی۔ لیکن پھر بھی ممنون ہوں۔ ڈاکٹر اقبال کی ذرہ افزائی سے میرا وصلہ تو بہت بڑھا۔ لیکن نہ اتنا کہ مضمون کا وعدہ کر سکوں۔ چون کہ میرا پہلا امتحان ہے۔ ادھر موسم اس قدر خوشگوار ہو رہا ہے۔ کہ دیا کے کنارے اس جھیل کے پاس جہاں بائرن کے تخیل کو پرواز نصیب ہوئی تھی۔ کسی پھول سے لڑے ہوئے سبزہ زار میں گھسنے اور بلند درختوں کے درمیان زندہ رہنے کو دل چاہتا ہے۔ اس دو کو نہ عذاب کا تیبہ یہ ہے۔ کہ امتیاز جیسے عزیز دوستوں کی فرمائشوں کی تعمیل سے بھی معذور ہوں۔ اور سالک جیسے مقتدر شفیق کے خط کی رسید تک بھیننے سے قاصر، سزا بھگت رہا ہوں، عرصہ ہوا دوستوں سے خط لکھنا بند کر دیا۔

سوچتا ہوں۔ تعطیلات شروع ہو جائیں۔ وہ خط لکھوں گا۔ وہ خط لکھوں گا۔ دوستوں میں کھلبلی مچ جائے۔ اس ہیجان کے دوران میں ہو سکا۔

تو نیرنگ خیال کی خدمت بھی کروں گا۔

رسالہ دیکھ کر آنکھیں روشن ہو گئیں۔ پھر بھی میری کج بین طبیعت
کو اصلاح کی گنجائش نظر آئی۔ لیکن اس کا الزام آپ کو نہیں دیتا
کی بری نہیں ہے اور کیا کہوں۔ مجھے ذرا لاہور واپس آسیتے دیکھئے۔

خاکسار

بخاری، عثمانویل کالج کیمبرج

بنام کلیم الرحمن

نیویارک

۲۱ دسمبر ۱۹۵۵ء

عزیز و مشفق

سلام مستون! گرامی نامہ ملا۔ آپ کا ارشاد سرا تکھوں پر۔ کام دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال ایسی مشقت نہیں کہ ابھی سے کانوں پر ہاتھ دھریوں۔ "I BELIEVE THIS" یا اسی قسم کے عنوان سے پو قلموں کتابیں اور مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ نہ معلوم آپ کے زیر نظر کونسی کتب اس نام کی ہیں۔ اس لئے نیویارک کے دفتر سے کتابیں پہنچیں گی۔ تو پورا حال معلوم ہو گا۔

آپ کا نام جب زبان پر آتا ہے۔ تو آپ کے والد مرحوم رنشی خلیل الرحمن کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ میں ان کا خادم اور مقتدر اور ان کے دسترخوان علم و دانش کا خوشنہ چین تھا۔ آپ نے جس خاندان میں تربیت پائی ہے۔ وہ آپ کے حسن اخلاق اور علو فطرت کا ہمیشہ ہمیشہ

کے لئے کفیل ہے اور رہے گا۔ اس کے علاوہ آپ خود بھی
 ماشاء اللہ روشن دماغ اور شائستگی کا نمونہ ہیں۔ اس لئے
 سمجھ صاحب یا کسی اور صاحب کے سامنے آپ سے اپنا اہمیت
 چٹا کر مجھے فخر ہوتا ہے۔ خدا آپ کی زندگی ہر طرح کا مران کرے۔

آپ کی بہبود کا طالب

خاکسار بخاری

بنام حامد علی خاں

مشفق حامد علی خان صاحب
سلام مستنون!

مجھ سے سہو ہوا کہ میں نے آپ کے خطوط نیز آپ کے مسودوں کی رسید آپ کو نہ بھیجی۔ مسودے سے یہ مطابق فہرست مجھے مل چکے ہیں اور ان سب پر میں نے نظر ثانی کر لی ہے۔ کسی مضمون کو مختصر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ کیونکہ گو ایک آدھ مضمون پکوانے سے ذرا طویل ہے۔ لیکن نہ اتنا کہ قبلی استعمال کے بغیر چارہ نہ ہو۔ البتہ ترجموں میں بہت سی جگہ تقالبت تھی۔ جو اکثر ترجموں میں پائی جاتی ہے۔ اسے میں نے دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ ورنہ بسا اوقات تو مطلب ہی فوت ہو جاتا تھا۔

تمہید تقریباً تیار ہے۔ محض انتظار صرف اس بات کا ہے۔ جو آپ نے مزید مسالحوں کھینچنے کا وعدہ کیا ہے۔ اسے بھی دیکھ لوں۔ ترتیب کے بارے میں میرا مشورہ یہ ہے کہ پہلا حصہ پاکستانی اور دوسرا امریکن ہونا چاہیے۔ پاکستانی حصے میں پہلا مضمون قائد اعظم اور امریکن حصے میں پہلا مضمون آئزن ہارڈ کا۔ باقی مضامین ترتیب ایک دوسرے کے لحاظ سے تاکہ کسی کو شکایت نہ ہو۔ کہ شمع پہلے میرے سامنے کیوں آئی۔ کیا آپ کو اس سے اتفاق ہے؟

ایک بات اور ذہن میں آئی۔ وہ یہ کہ جہاں جہاں (خواہ امریکین حصے میں خواہ پاکستانی حصے میں) مضمون انگریزی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ وہاں مضمون کے آخر میں قوسین کے اندر بیچ خط تخی لکھ دیا جائے۔ (انگریزی سے ترجمہ) تاکہ لوگ طرز تحریر کی اجنبیت کو خود صاحب مضمون کی اختراع نہ سمجھیں۔

مضامین نگار میں خود شامل ہونا مناسب نہیں سمجھتا۔ میرے لئے تمہیں نگار ہونا ہی مناسب ہے اور میں جواب کا منتظر۔

خاکسار

بخاری

کیا تمہیں اور مضامین ابھی بغیر مزید مسالے کے انتظار کے لئے بھیج دوں۔ تاکہ کتابت شروع ہو جائے؟

۲

نیویارک

۹ ستمبر ۱۹۵۸ء

مشفق سلام مسنوناً!

ابھی ابھی آپ کا رجسٹری خط مورخہ ۲ ستمبر معہ بقیہ مسودات کے ملا۔ مضامین کی ترتیب کے متعلق میں حال ہی میں آپ کو ایک خط لکھ چکا ہوں۔ لہذا اس کے متعلق جو میرا مشورہ ہے۔ اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ امید ہے کہ آپ اس سے متفق ہوں گے۔

اب اگلی ڈاک سے انشاء اللہ دیباچہ ارسال خدمت کر دوں گا۔

اور مسودات بھی واپس بھیج دوں گا۔

خاکسار

بخاری

۳

مشفق جناب حامد علی خان صاحب

سلام مستنون!

آج ہی ایک علیحدہ پکیٹ بصیرت حیرتی آپ کے نام روانہ کر دیا گیا ہے جس میں ۲۹ پاکستانیوں کے مسودے اور ۳ غیر پاکستانیوں کے شامل ہیں۔ نیز ۹ مضمونوں کی اصل انگریزی بھی اسی پکیٹ میں بھیج دی ہے۔ زحمت نہ ہو۔ تو رسید سے ضرور مطلع فرمائیے۔ میں متفکر رہوں گا۔
دیباچہ کا مسودہ منسلک ہذا ہے۔

ترجموں پر نیز دیگر مضامین پر میں نے حتی الامکان بڑے غور سے نظر ثانی کی ہے۔ مترجمین نے بعض حصے تو اپنی بساط سے بڑھ کر پائے۔ بعض جگہ ذرا گھاس کالی مضامین یوں بھی *ABSTRACT* ہیں۔ اگر ان میں روانی اور سلاست بھی نہ ہو تو ان کا پڑھنا اور ان سے لطف اندوز ہونا بالکل ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ بہر حال اب جس حالت میں بھی مسودات آپ تک پہنچ رہے ہیں۔ اُمید ہے آپ انہیں خاطر خواہ پائیں گے۔

تاخیر کے لئے میں آپ سے ناظم ہوں۔ اول تو اسمبلی کی وجہ سے اور کچھ بیماری کے الجھاؤ سے فرصت کم رہی۔ پھر ایک طویل دیباچہ لکھا تھا۔ جسے حالات کے تغیر و تبدل نے بے کار بنا دیا۔ دوسری مرتبہ لکھا تھا۔ تو پھر

خاکسار

وہی کیفیت ہوئی۔ آخر تنگ آکر میں نے ایک مختصر سے دیباچے پر اکتفا
کی ہے۔ آپ پڑھیں گے تو یقیناً اندازہ ہو جائے گا کہ میرے دیباچے کس
وضع کے اور کس موضوع پر تھے۔ اب ان کا موقع نہیں۔

مضامین کو ابجد کے لحاظ سے آپ خود ترتیب دے لیجئے۔ اور
اپنے نظم و نسق کے مطابق کتابت موقع پر شروع کرادیجئے۔ اب تو سب
مرحلے طے ہو چکے۔ اب زیادہ تاخیر کے لئے کوئی جواز باقی نہیں رہا۔
جب میں نے سنا کہ مکتبہ فریملن کے کرتا دھرتا آپ ہیں۔ تو یہ یاد
مسترت ہوئی۔ آپ یقیناً اس کام کے لئے بہت موزوں ہیں۔ میرے
لائق کوئی خدمت ہو تو ہرگز مجھ سے دریغ نہ رکھیں۔ بلکہ خادم دیرینہ
سمجھیں۔

خاکسار
بخاری

بنام عبد القدر رشک

عزیزی رتک سلمہ اللہ تعالیٰ

سلام مسنون!

آپ جانتے ہیں کہ اردو ادب سے مجھے گہرا لگاؤ رہا ہے۔ خیال تھا کہ عمر اسی دشت کی سیلابی میں کٹے گی۔ لیکن شرافت ملاحظہ ہو کہ آنکھیں اردو کتابیں دیکھنے کو ترس گئی ہیں۔ اول تو کتابیں ملتی ہی نہیں۔ بل جائیں تو فرصت کہاں؟

پہلے آدمیوں کی طرح صبح صبح اُٹھتے ہیں۔ پیلڈری پیلڈری کھاتا کھایا۔ اور کسی مار پیٹل گئے۔ شام کو واپس ہوٹل میں وارد ہوئے۔ شام کا رُوح افزا وقت ہو یا صبح کا سہانا سماں طبیعت مچلتی ہوئی ہو یا افسردہ۔ ہم ہیں کہ ادا کے فرض کی خاطر نہایت شگفتہ طبعی اور غنیہ دنیا سے باتیں کئے جا رہے ہیں۔ اس وقت اس شہر میں ہزاروں لوگ ہوں گے۔ جو دنیا و مافیہا سے۔ بے خبر نیند کے مزے اڑاتے ہوں گے۔ لیکن ہم کچھ ایسے برخوردار سعادت شمار واقع ہوئے ہیں کہ نہ نیند کی سرداہ۔ نہ نصحت کا ہوش۔ خداوندان سیاست کا حکم ہوتا ہے کہ بعض باتیں کہے جاؤ۔ ایسے ماحول میں رہ کر اردو ادب کو کیا کہیں۔

بات بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہ بنے

وقتاً فوقتاً اردو ادب کی جو کتابیں نظر سے گزری ہیں۔ ان سے

تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ آج سے چند سال پہلے آپ کا اردو ادب
 فرسودہ اور تقلیدی عناصر سے بڑی طرح الجھا ہوا تھا جس میں زندگی
 کے خود حال نمایاں تھے۔ نہ ان صلاحیتوں کی ترجمانی جو تخیل کی آغوش
 میں نہیں۔ واقعات کی دنیا میں پرورش پاتی ہیں۔ ان میں کئی اشعار
 نشر پنہاں ہوں گے۔ اور کئی مصرعے دھڑکتے دل، لیکن یہ حقیقت
 ہے کہ اس میں حیات کے نشیب و فراز زندگی کی لغزش و استقامت
 اور انسانی منزل کی امید افزا کریمیں نہیں بھومتیں۔

جوں جوں زندگی کے تقاضے بدلتے گئے۔ ہمارے یہاں اکثر ادیبوں
 نے راہ گریز چھوڑ کر زندگی کو اپنایا۔ انہوں نے نرم و نازک زبان کے ذریعے
 ملکی ادب کو یہ آرٹ کی نئی قدروں سے دوچار کر دیا۔ حالانکہ پاکستان
 میں جس زمانے کے سائے میں اردو ادب کی نشوونما ہوئی۔ تاریخی اور سیاسی
 اعتبار سے ایک ایسے ایٹلا کا زمانہ ہے۔ جس کی مثال ہندوستان کی تاریخ
 میں مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔

رُومانیٹ کا دور گزر چکا۔ اب اردو ادب زندگی کے تلخ حقائق اور
 شعوری محرکات کا ادراک رکھتا ہے۔ وہ انسانی عظمت اور انسانی
 کارناموں کے اظہار سے مملو ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا میں
 صحت مند ادب جب تک زندہ رہے گا۔ اس کا اہم ترین موضوع انسان
 ہی ہوگا۔

سماجی زندگی میں ادیب کی حیثیت سنگ میل کی سی ہوتی ہے معاشرہ
 کی سر بلندی اور انسانی ہیود کے لئے افکار و تاثرات کو دوسرے افراد کی
 نسبت انسانی جذبات میں زیادہ آلہ کار ہونا چاہیے۔ دورِ حاضر کے جن

ادیبوں نے اُردو ادب میں زندگی کو اپنایا ہے۔ ملک کے دانش اور
عوام ان کی خدمات سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔

ہم نہ روس کے ہنگامی ادب کی استوار کردہ عمارتوں کو مٹا دینا چاہتے
ہیں اور نہ ایسے ادب کی نشت پناہی کر سکتے ہیں۔ جو انسانی خدمت
کے لئے زیادہ آلہ کار نہ ہو۔

کاش میرے پاس وقت ہوتا اور میں زیادہ کچھ آپ کو بتا سکتا
لیکن عدیم الفرستی کے ہاتھوں مجبور ہوں۔

خاکسار
بخاری

بیگم آمنہ مجید ملک کے نام

نیویارک
۱۵ ستمبر ۱۹۵۱ء

عزیز بہن!

وہ جسے فراغ کہتے ہیں۔ نہ معلوم وہ دنیا سے اٹھ گیا۔ یاد لوں پیر
تکمان چھا گئی۔ یا بڑھاپے نے سب کو آن لیا۔ پیر حال کچھ نہ کچھ انقلاب
ضرور آ گیا ہے۔ دفتری خطا اور تار دھڑا دھڑا آتے ہیں۔ کسی دوست کا
خط نہیں آتا۔ حال میں ریاض احمد صاحب (ریڈیو انجنئر) آئے تو ان
کی زبانی معلوم ہوا کہ مجید صاحب بہت عرصہ صاحب فراش رہے۔
زمانے کا رنگ بدل نہ گیا ہوتا تو میں اتنا عرصہ ایک عزیز دوست کی
علالت سے خبر نہ رہتا۔ آپ ہی مجھے لکھ بھیجتیں کہ مجید صاحب
بیمار ہیں۔ دُعا کیجئے۔ گناہ گار کی دُعا ہر آپ تو کیا تکیہ کرتیں۔ لیکن دوستوں
بھائیوں اور عقیدت مندوں کو اپنے دُکھ میں شریک کرنے کا پہا نہ ہوتا۔
کچھ عرصہ ہوا۔ ایک شناسا سے سرسری سنا تھا۔ کہ مجید صاحب کو دل کی
تکلیف ہے۔ میں نے سن کر صوب معمول نہیں میں اڑا دیا۔ ان کا یہ وہم یاران
سر مل کے حلقہ میں مدت سے ایک لطیفہ بن چکا ہے۔ جنہوں نے
خبر سنائی وہ کچھ تفصیل بھی نہ بتا سکے۔ لیکن جب ریاض صاحب سے

مفضل حال معلوم ہوا۔ تو بہت تشویش ہوئی۔ اور میں از حد اداس ہو گیا۔
 مجید صاحب کے کئی نقشے ذہن میں آتے ہیں اور آسکتے ہیں۔ ایک
 سے ایک بے ڈھنگا۔ لیکن یہ نقشہ ذہن میں نہیں آتا۔ کہ وہ بستر پر دلاڑ
 ہوں۔ خدا ان کا حامی و ناصر ہو۔ اور خدا انہیں اور آپ کو ہر پریشانی
 سے ماموں و مصدوں رکھے۔ انہیں میرا بہت بہت پیار دیکھے۔ اے
 کاش میں ان کے پاس ہوتا۔ اور ان کا دل بہلا سکتا ہو سکے تو ان کی خیریت
 کے متعلق دو لفظ لکھ بھیجئے تاکہ مجھے کم از کم اس قدر بعد کا احساس نہ ہو
 اور میں آپ کی تشویش میں آپ کا اور ان کا شریک ہو سکوں۔

میں کام کرتے کرتے تھک گیا۔ خیال تھا کہ جس وقت ڈاکٹر گراہم
 کشمیر کی ایجنسی میں مصروف ہوں گے میں چیکے سے ایک مہینہ قنصل
 کا کسی گوشہ عافیت میں گزارنے چلا جاؤں گا۔ اور صحت کچھ رنو کر دوں گا۔
 لیکن گراہم کے پہنچتے ہی وہ ہنگامہ برپا ہوا کہ میں کام سے ہل نہ سکا۔ اب
 نو مہینے میں پیرس پہنچنا ہے۔ وہاں اسمبلی تین چار مہینے رہے گی۔ درمیان
 میں گورنمنٹ کا وقفہ بھی ہوگا۔ لیکن نہیں معلوم کتنا طویل یا کتنا مختصر۔ نامعلوم
 پاکستان کب آنا نصیب ہو۔ دل سخت اداس ہے۔

اجناس کی یاد کبھی دل سے محو نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی کوئی لطیفہ کانوں تک
 پہنچ جاتا ہے۔ تو طبیعت دن بھر کوزنگین ہو جاتی ہے۔ ورنہ اکثر یہ کیفیت
 رہتی ہے۔ کہ اماں میرے بھتیجا کو بھیجوری کہ ساون آیا۔

ہم نے دوست خدا کے فضل سے ایسے پائے ہیں۔ کہ کہنے میں
 تو ان میں ہر ایک عالم اجل اور شاعر عزا اور جانے کیا کیا ہیں۔ لیکن
 خط لکھنا کسی کو نہیں آتا۔ کسی زمانے میں ایسے ہی بے بس لوگوں کے لئے

شاہ عالمی دروازے اور چاندنی چوک وغیرہ میں ایک کتاب
 "عاشقانہ خط و کتابت" کے نام سے بکا گئی تھی۔ کئی، عشق اس
 کتاب کی بدولت پیچھے اور سرخورد ہوئے۔ وہ کتاب بھی اب نایاب
 ہے۔

تمہیں کہو کہ گزارا صنم پرستوں کا
 بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خو تو کیتوں کر ہو

نہ معلوم خلیفہ حکیم صاحب کا کیا حال ہے۔ اور وہ کہاں میں۔ میں
 نے امریکہ میں کئی مرتبہ ان کا ڈٹکا بجایا۔ اس کی کوئی حال تک بھی نہیں
 ہوگی۔ لیکن ان کی جانب سے تالی تک نہ سُنائی دی۔ بیگم شاہد حامد
 صاحبہ (کسی قدر ادب سے ان کا نام لے رہا ہوں) کو میرا سلام
 پہنچے۔ خدا کرے میرے خط پہنچنے تک آپ کی تشویشیں جید و جاہل
 کے بارے میں دور ہو چکی ہوں۔ اہا آپ اطمینان سے مجھے ان کا اور اپنا اور
 اجاب و اقربا کا حال بتا سکیں۔

آپ کا خاکسار بھائی
 بخاری

بیگم فیض کے نام

لنڈن

۲۹ اپریل ۱۹۵۸ء

پیاری ایلیس!

سخت تعجب ہے کہ تم میرا القاب صرف "بخاری" لکھتی ہو۔
 نہ مسٹر، نہ صاحب، نہ سر و فیسر، تم عورتیں ہم مردوں کے برابر کب سے
 ہوئی ہیں۔ جو یہ بے تکلفی برتنے لگیں۔ بچے بیڑوں کے ہمسر کب سے
 ہو گئے۔ کب سے..... لیکن خیر اتنا ہی کافی ہے۔ میں
 ہمیشہ سے مختصر ڈانٹ کا قائل ہوں۔ جو شفقت اور قرینے سے
 پلائی جائے۔ اس کا اثر زیادہ دیر یا ہوتا ہے۔ مجھے ذرا بھی شبہ
 نہیں۔ کہ تم ابھی سے اپنے کئے پر نادم اور آئندہ کے لئے مودوب

اور محتاط رہنے کا عہد کر چکی ہو۔

تو پیاری ایلس تمہارے خط سے بہت مسترت ہوئی۔
 لاج (Lodge) سے جو خط آئے ہیں۔ ان میں اکثر تم سے
 قبل ملاقات کا ذکر رہتا ہے۔ کہیں تم نے میری یہ بات پلے
 تو نہیں باندھ لی۔ کہ میرے بعد 'یوپی' (زیریدہ) کا خیال رکھنا۔ وہ تو
 یونہی اپنی تشویش کی جانب اشارہ تھا۔ اور مجھے امید ہے کہ تم
 اس کی پردی میں بہت وقت نہیں گنوارہی ہو۔ بہر صورت اہل
 بخارا کے لئے تمہاری محبت کا شکر گزار ہوں۔ تمہارے گھر کو اکثر
 احسان مندی سے یاد کرتا ہوں۔ کہ شہر کا سب سے رفیق گوشہ
 وہی ہے۔

بہت اچھا ہوا کہ تم نے یاد کر لیا۔ جی چاہتا تھا کہ کہیں سے (فیض)
 گھرانے کی خبر آئے اور میں جانتا تھا۔ کہ وہ خود تو کبھی لکھے گا نہیں۔
 شاعر مست جو ٹھہرا، کیوں؟ کہیں سے سنا تھا۔ کہ اسے جیل
 بھیج رہے ہیں۔ جہاں سادہ پانی اور تان جویں سے اس کی
 کواضع کریں گے۔ پھر سنا کہ اپنی بات سے پھر گئے ہیں۔ اور سیر پانی
 کی پیش کش واپس لے لی ہے۔ ٹھیک سے کہہ نہیں سکتا۔ کہ کس بات
 پر زیادہ ہنسی آئی۔ اس پر کہ اسے بند کر رہے ہیں۔ یا اس پر کہ نہیں کر رہے۔

اے لاج۔ پرنسپل گورنمنٹ کالج کے پرنسپل کی رہائش گاہ۔ جہاں
 اس زمانے میں بخاری صاحب مقیم تھے۔
 لے بیگم بخاری۔

دوسری بات یہی سمجھو۔ اگرچہ وہ تو راہِ حق میں کام آنا زیادہ پسند کرتا لیکن میں اور تم (کہ حرص و آزر کے بندے ہیں) غالباً یہی چاہیں گے کہ وہ ہمارے پاس ہی رہے۔ اس کے بجائے کہ اسے دیکھنے کے لئے فارم پُر کرتے پھریں۔ ویسے وہ تو تمہارے پاس ہے ہی؟ میرا مطلب ہے پہلے سے زیادہ۔ اب میں جو وہاں نہیں ہوں اُمید تو یہی ہے اور یوں نہیں تو پھر؟

یہاں ہجوم مستقل خوشگوار ہے۔ کیو (KEW) باغ میں "گاڈ مینا" میگنولیا اور چیری کے شگوفوں سے آگ سی لگ رہی ہے۔ لیکن یہاں کے لئے تمہارا دل بہت ترسنے لگے تو یہ بھی سن لو کہ یہاں زندگی واقعی کٹھن ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ جن گھروالوں کی آمدنی آٹھ دس پونڈ فی ہفتہ سے زائد نہیں۔ وہ لیسر کیسے کرتے ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں کیا باریں اور جویں انہیں پکانے میں غارت کر دیتے ہیں۔ لوگ لاپرواہ ہو گئے ہیں میرے آپ کے سامنے چیزیں یوں لاکے ٹیکتے ہیں۔ کہ میاں لوجی چاہے تو اٹھالو ورنہ ہوا کھاؤ۔

آج کل لندن میں لٹکا شائر (LANCHESHIRE) والوں کا ہجوم ہے اور شاہی جوڑے کی شادی کی تقریب سالگرہ کے جلوس (ہائے کیسی پیاری لگ رہی تھی)۔ گذشتہ ہفتے گرولز سکولیر میں مسٹر روز ویلیٹ اور ان کے خاوند محسبے کا قصہ تھا۔ (محسبہ اچھا ہے) تو یوں ہی چلتا ہے۔ لندن شہر میں آج کل تھیٹر کے دن نہیں۔ لیکن پھر بھی جوں توں شکسپیر، برنارڈشا، گوگل اور

شاں رو کسی کے کچھ کھیل دیکھ لئے۔ اور کچھ ہنس مہکتے ہی عمرہ
اطالوی، جرمن اور فرانسیسی فلمیں کچھ کرزن میں دیکھیں۔ کچھ
اکاڈمی اور اسٹوڈیو وغیرہ میں۔ تمہیں تو معلوم ہے کہاں کہاں۔ انگلے
دن میں آڈن (ANDEN) میں ان کی نظریں سننے گیا تھا۔ لونی میک نیس
(MACNIEA) نے اہتمام کیا تھا۔ فیض کو سلام بھیجا ہے۔
کننگر لے مارٹن سے ابھی ملاقات نہیں ہوئی۔ کل شام ایک تقریب میں
ان کا انتظار تھا۔ لیکن وہ دکھائی نہیں دیئے۔ ہمارا کام ابھی شروع نہیں
ہوا۔ ہندوستانی وفد ابھی نہیں پہنچا۔ تاخیر کی کوئی وجہ تو کسی نے بتائی نہیں۔ یہ
بادر کرنے کی توقع کی جاتی ہے۔ کہ خسرو پھوٹ پڑی ہوگی۔ یا ایسی ہی معصوم اور
قدسی وجہ کوئی اور ہوگی۔ چنانچہ فی الحال آج کل متفرق کام کر رہا ہوں۔

چیمپی (اچھا بھئی سلیم ہی سہی) اکثر یاد آتی ہے۔ اسے میرا پیار پہنچا
دینا۔ میرا مطلب ہے واقعی پہنچا دینا۔ اور تمہارے دوسرے بچوں کو
بھی یا شاید ایک ہی بچہ ہے یا وہ نہیں رہتا۔ یہاں سے کوئی چھوٹی موٹی
چیز تمہیں چاہیے تو لیتا آؤں۔ کچھ ہو تو لکھ دینا۔

محبت سے

اے۔ ایس بخاری

اے بخاری صاحب انڈیا آفس لائبریری کی تقسیم کے سلسلے میں لندن گئے تھے۔

منیزہ فیض کے نام

۳۔ ادا دیویئر س نیو یارک

۲۰۔ نومبر ۱۹۵۸ء

پیارے منیزہ

کافی عرصہ ہوا۔ تمہارا ۲۶ اگست کا خط ملا تھا۔ تم
میری طویل خاموشی کے باعث جواب سے مایوس ہو گئی
ہو۔ تو حق بجانب ہو گی۔ سچی بات یہ ہے کہ ان دنوں میری
صحت اچھی نہیں رہی۔ اس کے باوجود مجھے کام بھی کرنا پڑتا تھا۔
اس لئے خط و کتابت کا سلسلہ بند رہا۔ اب میں تندرست
ہوں اور تمہارا خط سانس لکھ کر جواب لکھتے بیٹھ گیا ہوں۔

لہ یہ خط فیض احمد فیض کی بچی کے نام ہے۔

میں مہتیں خط اپنے دفتر سے لکھ رہا ہوں۔ جو اقوام
 متحدہ کے سیکرٹریٹ کی عمارت میں دسویں منزل پر واقع
 ہے۔ اس عمارت کی اڑتیس منزلیں ہیں۔ ایک مستطیل سا
 مینار ہی سمجھو۔ دُور سے دیکھو تو ایسی لگتی ہے۔ جسے ماچس
 کی ڈبیا اپنے کناروں پر کھڑی ہو۔ مطلع آج اتفاقاً نہایت
 صاف ہے۔ سورج کی روشنی کھڑکیوں میں سے اندر آرہی
 ہے۔ یہ کھڑکیاں دریا کی جانب کھلتی ہیں۔ جو اوسر سے
 نظر آتا ہے۔ وہ دریا کے ہڈسن کی ایک شاخ ہے۔ جو
 یہاں۔ سمکھنا صلے پر بحر اوقیانوس میں گرتا ہے۔ یہاں دریائے
 ایسٹ بہتے ہیں۔ اس وقت جب میں لکھ رہا ہوں۔ تو
 بڑی بڑی کشتیاں اور تیل کے بیڑے دریا میں تیرتے پھرتے
 ہیں۔ پانی دھوپ میں چمک رہا ہے اور وہ تپکھ کی طرف مجھے
 ایک پلوں میں سے ایک پل نظر آ رہا ہے۔ جو دریائے ایسٹ
 پر پاندھے گئے ہیں۔ اس پل کا نام ولیمز برگ ہے۔ ویسے
 ان سب میں مشہور پل برگ ہاٹن ہے۔ یہ اتنا ہی مشہور
 ہے۔ جتنا ہڈسن کی مغربی شاخ پر جارح واشنگٹن پل ہے۔
 جس کی تصویر تم نے دیکھی ہوگی۔

موسم سرما کی آمد آمد ہے۔ اگرچہ سردی بہت ہلکی ہے۔
 نہ ویا راک شہر میں ابھی سرت نہیں پڑی۔ گیس دسمبر کے آخر اور
 بنوری فروری میں پڑے گی۔ یہاں خزاں کا موسم سب سے دلکش
 ہوتا ہے۔ امریکی لوگ اسے "FALL" گرتا کہتے ہیں۔ یہ ستمبر میں

ہوتا ہے۔ اس موسم میں درختوں کے پتے پہلے زرد اور پھر
 تانبے کی طرح سُرخ ہو جاتے ہیں۔ جنگلوں میں جیسے آگ
 سی لگ گئی ہو۔ جہاں کہیں درخت اُگے ہوتے ہیں۔ وہ جگہ بس
 رنگریز کا کارخانہ معلوم ہوتا ہے۔ جیسے اس نے پیارے
 پیارے رنگوں میں کپڑے رنگ کر سوکھنے کے لئے پھیلا دیئے
 ہوں۔ بڑی سڑک کے دونوں طرف دور دور تک دونوں طرف
 قدرتی مناظر دکھائی دیتے ہیں۔ سڑک پر گاڑی چلانے میں بڑا
 لطف آتا ہے اور جی چاہتا ہے۔ کہ گھنٹوں ان گھنے جنگلوں
 میں بیٹھ کر تالابوں اور جھیلوں میں پڑے ہوئے آتشیں رنگ
 کے درختوں کے عکس کا نظارہ کیا جائے۔ اس ساں بھی فصل
 خزاں خوب رہی۔ عام طور پر موسم خوشگوار رہا۔ کئی روز تک
 جنگلوں میں گھوما جاسکتا ہے۔ اور سیر کی جاسکتی تھی۔

جب تم نے مجھے خط لکھا تو تمہاری امی ولایت سے
 واپس آ چکی تھیں۔ اور آیا ابھی وہیں تھے۔ اب تک تو
 وہ بھی لوٹ آئے ہوں گے۔ انہیں میرا سلام کہنا اور چھپی کو
 پیار دینا مجھے یہ بھی بتانا کہ تم نے تیرا سیکہ لیا
 ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو اس کی مشق کرتی رہو۔ یہ ایک ایسی
 تفریح ہے جو حاصل نہ کی جائے تو زندگی میں ایک خلا سا
 محسوس ہوتا ہے۔ تمہارا ہنڈ گھینا تو خوب چلتا ہوگا۔

جب جی چاہے مجھے خط لکھنا
 مگر لکھنا ضرور۔

اور دیکھو سب کو میری جانب سے ایک بار پھر
پیار دیتا۔ کھولنا مت۔

تمہارا پیارا
اے۔ ایس بخاری

ختم شد

پطرس کے مضامین

پطرس بخاری
قیمت: چار روپے

ادبی دنیا۔ اردو بازار۔ دہلی